شیخ حسن

یعنی

روحانیات کے متعلق ایک دلچسپ سرگزشت



جسے

مولوی سید ممتاز علی صاحب

مصنف ردّ الملاحدہ۔ خیر المقال۔ حقوق نسواں
تذکرۃ الانبیا وغیرہ
نے ایک مغربی سیاح کی تصنیف سے
ترجمہ کیا

سنہ ۱۹۲۵ء

دار الاشاعت پنجاب لاہور

طبع دوم (۱۰۰۰)

دیباچہ

سرِ روحانیاں داری ولے خود راندیدستی
بخوابِ خود درآ تا قبلۂ روحانیاں بینی

والد ماجد مولوی سید ممتاز علی صاحب قبلہ کو اوائل عمر میں رُوح و رُوحانیت کے مباحث پڑھنے اور اُن پر غور و فکر کرنے کا بہت شوق تھا۔ وہ کتب مشرقیہ کے علاوہ مغربی علما کے تجربات و اکتشافات کو بھی نہایت شوق و ذوق سے پڑھا کرتے تھے۔ آپ کے اُستاد شمس العلما محمد حسین آزاد کو بھی اِن مسائل سے بہت دلچسپی تھی۔ شوق و حُسن عقیدت کا یہ حال تھا۔ کہ دربارِ اکبری کی تصنیف کے دوبارہ زمانے میں پلینیشٹ (لوح حاضرات) کی وساطت سے خان خاناں اور ابوالفضل کی رُوحیں بُلائی جاتی تھیں۔ اور ہر مشتبہ واقعہ کے متعلق اُن کی شہادت پر حصر کیا جاتا تھا۔

والد ماجد اور پروفیسر کے درمیان رُوحانیات کے دقیق مسائل پر دلچسپ گفتگوئیں ہوا

کرتی تھیں۔ اور اسی کا اثر تھا۔ کہ والد ماجد کو روحانیت کے متعلق تصنیف کا شوق ہؤا۔ انہیں ایام میں ایک مغربی سیّاح کا سفرنامہ آپ کی نظر سے گزرا۔ سیّاح مذکور نے مشرق کا سفر کر کے روحانیات کے متعلق اپنے تجربات و معلومات کو ایک افسانے کی صورت میں شیخ حسن کے نام سے شائع کیا تھا۔ والد بزرگوار نے اُسے دیکھا۔ تو اُس کے ترجمے کا شوق ہوا۔ چنانچہ جلد ہی ترجمہ کر دیا۔ اور ارادہ تھا۔ کہ اس کے اول ایک مقدمہ لکھیں جس میں مغربی علماء کے جدید اکتشافات اور اپنی معلومات کا ذکر کریں۔ لیکن بعد میں مصروفیتوں اور دوسرے مشاغل نے سر اُٹھانے کی مہلت نہ دی۔ اور "شیخ حسن" مسودے کی صورت میں ہی پڑا رہ گیا۔

ضعیفی کے عالم میں جب کہ دلی شوق صرف دینیات کے مطالعہ و تصنیف میں محدود رہ گیا ہے۔ تو آپ کو ایسی کتاب جو گو درحقیقت سفرنامہ ہے۔ مگر بظاہر افسانہ ہے۔ اپنے نام سے شائع کرنا کچھ مناسب نہ معلوم ہوا۔ اور شیخ حسن کی اشاعت کا ارادہ بالکل چھوڑ دیا۔ گزشتہ سال خاکسار اڈیٹر کہکشاں آپ کے غیر مطبوعہ تصانیف کے مسودے دیکھ رہا تھا۔ تو اُن میں یہ مسودہ بھی نظر سے گزرا۔ تھوڑا سا پڑھ کر دیکھا۔ تو بہت پُرلطف معلوم ہوا۔ پوری کتاب کا مطالعہ کیا۔ تو بے انتہا دلچسپ اور روحانیات کے متعلق عجیب و غریب معلومات کا مخزن پایا۔ چنانچہ میں نے والد ماجد سے اس کی اشاعت کی اجازت چاہی۔ اور باصرار آپ کو اس امر پر رضامند کر سکا۔ کہ یہ آپ کے نام ہی سے شائع ہو۔

اس کے شروع میں روحانیات کے متعلق جو مفصّل و مبسوط مقدمہ لکھنے کا ارادہ تھا۔ وہ والد ماجد نے اس خیال سے ترک کر دیا۔ کہ سُست اعتقاد

ہندوستانیوں کو جو پہلے ہی اپنی اوہام پرستی کی وجہ سے کیمیا اور دیگر خرافات میں اپنا وقت عزیز ضائع کرتے رہتے ہیں۔ اہل مغرب کے تجربے اور نئے خیالات تضییع اوقات کے لئے ایک اور وسیع میدان پیش کردیں گے۔ جو ملک و قوم کے لئے باعثِ ضرر ثابت ہوگا +

اس مختصر دیباچہ کے بعد اب میں اس دلچسپ کتاب کو پیش کرتا ہوں قطع نظر اس کے کہ ظاہر بینوں کے لئے قصہ نہایت دل آویز ہے۔ اور سیاح مذکور نے اپنے وسیع تجربہ کے باعث قصہ مذکور کے کیرکٹروں کی فطرت و سیرت نہایت دلچسپ پیش کی ہے۔ یہ قصہ جو چند جدید واقعات پر مشتمل ہے عالمِ روحانیات پر بے حد روشنی ڈالتا۔ اور تحقیق کا ایک نیا دروازہ کھولتا ہے

ترجمہ کی خوبی یہ سمجھی جاتی ہے۔ کہ وہ ترجمہ نہ معلوم ہو۔ شیخ حسن میں یہ خوبی جس حد تک پہنچی ہے۔ وہ ناظرین خود ملاحظہ فرمالیں گے۔ شروع سے آخر تک ترجمہ ایک ہی رنگ میں ہے۔ اور سلاست اور بے تکلفی کہیں ہاتھ سے نہیں چھوٹی۔ امید کہ ناظرین اس کے مطالعہ سے محظوظ ہوں گے۔ اور اس کی قدر کریں گے +

سید امتیاز علی تاج
اڈیٹر کہکشاں

تمہید

اس کتاب کے لکھنے سے میری یہ غرض ہے۔ کہ علم الارواح کے متعلق جن باتوں کا میں نے بذات خود تجربہ حاصل کیا ہے۔ اُس کے متعلق شہادت دوں۔ اور یہ بات صاف اور واضح طور پر بیان کر دوں۔ کہ جو حالات اس کتاب میں لکھے گئے ہیں۔ اُن میں سے اکثر میرے چشمدید ہیں +
یہ کتاب قصے کے پیرایہ میں محض اس لئے لکھی گئی ہے۔ کہ لوگ اسے زیادہ آسانی اور دلچسپی سے پڑھیں۔ اور گو میں نے اس کی ترتیب میں اُن رعایتوں سے فائدہ اُٹھایا ہے۔ جو فسانہ نگاروں کے لئے جائز قرار دی گئی ہیں۔ اور آدمیوں اور شہروں کے نام بدل ڈالے گئے ہیں۔ تو بھی یہ کہنا کسی طرح بے جا نہ ہو گا۔ کہ جو حالات آٹھویں اور دسویں باب میں بیان کئے گئے ہیں۔ اُن میں بذات خود موجود تھا +

اس تمہید میں صرف ایک بات اور لکھنی ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ مشرقی ملکوں میں اگر کوئی مُسافر یا چند روزہ قیام کرنے والے اشخاص وہاں کے حالات اور

باشندوں کے عادات اور رسوم و روایات معلوم کرنے کے خواستگار ہوں
تو اُنہیں اس کام کے لئے صرف وہاں کا ایک نوکر یا رہبر ملتا ہے۔ اور اُسے
حالات بیان کرنے یا تحقیقات میں مدد دینے کے شوق کا یہ حال ہے۔ کہ جتنی
اُسے نقدی دی جاتی ہے۔ بس اُتنا ہی اُسے شوق ہوتا ہے +

باب دوم میں جس درویش کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ ایسا شخص تھا جو غیر معمولی
طاقت رکھنے کا دعوٰے کرتا تھا۔ مگر نتیجہ اس سے زیادہ نہ نکلا۔ کہ درویش نے
اور اُس رہبر نے جس نے اُس کی سفارش کی تھی مالی نفع حاصل کر لیا +

میں مدت تک شام میں رہا ہوں۔ اور وہاں کے لوگوں اور اُن کی زبان
سے بخوبی واقف ہوں۔ مگر سب سے بڑی بات یہ تھی۔ کہ میری ایک ایسے
شخص سے دوستی تھی جو علم ارواح میں عجیب و غریب طاقت رکھتا تھا۔
اور اُس کا بڑا عامل تھا +

لندن۔ فروری ۱۸۸۸ء

باب اوّل

قطیف

چند سال گزرے میں قطیف میں ٹھہرا ہوُا تھا۔ قطیف ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ جو دمشق سے چالیس میل کے فاصلہ پر گوشۂ شمال مشرق میں واقع ہے۔ اور جو سڑک تدمور سے پلمائرا کو جاتی ہے۔ اسی پر یہ قصبہ واقع ہے۔ یہ تدمور وہی قدیمی شہر ہے جسے حضرت سلیمان بادشاہ بنی اسرائیل نے آباد کیا تھا۔ قطیف میں میں نے اِس غرض سے قیام کیا تھا۔ کہ وہاں کے ایک مشہور عالم شیخ سے زبان و ادب عربی کی تحصیل کروں۔ ان کا نام شیخ موسیٰ تھا۔ سلطان صلاح الدین نے یروشلم کو فتح کرنے کے بعد یہاں ایک بڑا مشہور دارالعلوم قائم کیا تھا۔ اور یہ شیخ اِس دارالعلوم میں درس دیا کرتے تھے۔ میں نے چلتے وقت دمشق کے چند بااثر دوستوں کی سفارشی چٹھیاں شیخ موسیٰ کے نام لے لی تھیں۔ چنانچہ اُنہوں نے مجھے نہایت مہربانی سے اپنے مدرسے میں داخل کر لیا۔ گویا یہ ایک نہایت غیر معمولی بات تھی۔ کہ ایک عیسائی شخص اہل اسلام کے مدرسے میں اس طرح سے بے تکلف داخل کر لیا جائے۔ چونکہ اس قصبے میں صرف میں ہی ایک اکیلا یورپین تھا۔ میں نے وہاں کے لوگوں کی سی ہی وضع اختیار کر لی۔ تاکہ اپنے انوکھے لباس کی وجہ سے وہاں انگشت نما نہ ہوں کیونکہ ایسے مشرقی شہروں میں جو شاہراہ پر واقع نہیں ہوتے۔ یا جہاں یورپین مسافروں کا کم گزر ہوتا ہے۔ اگر یورپین لوگ اپنے اصلی لباس میں پائے جائیں تو سخت مشکلات اور تکالیف میں

پڑ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے +

میں نے قصبے میں ایک مکان مسلمانوں کے محلے میں لے لیا۔ اور ایک مسلمان شخص کو معہ اُس کی ماں کے نوکر رکھ لیا + یہ دونوں میری عدم موجودگی میں گھر کی حفاظت کرتے تھے۔ اور میرا کھانا بھی پکاتے تھے + میرے نوکر کی ماں پردہ نشین عورت تھی چنانچہ وہ مدت تک ہمارے مکان میں رہی۔ مگر مجھے کبھی اُس کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا کیونکہ مسلمانوں میں عورتوں کے رہنے کے مکان ایسے پردہ دار ہوتے ہیں۔ کہ اُن میں عورتیں مردوں سے بالکل الگ تھلگ رہتی ہیں +

قطیف نہایت خوبصورتی سے کوہ لبنان کی پہاڑی کے دامن میں واقع تھا۔ اور اس ضلع کی پہاڑیوں کی طرح اس پر صنوبر و سرو و شاہ بلوط کے درخت کثرت سے کھڑے تھے +

شہر کے ایک طرف آبادی کے قریب ہی دو یا تین غار تھے۔ ایک غار میں سے چشمہ نکلتا تھا جو اس وادی کو سیراب اور اس کے خوش نما باغات اور انگورستانوں کو شاداب کرتا تھا + شہر میں تقریباً چھ ہزار آدمیوں کی آبادی تھی جن میں دو تہائی مسلمان تھے۔ اور باقی عیسائی + دونو قومیں بڑے اتفاق سے رہتی تھیں۔ شیخ موسیٰ نہایت آزاد خیال کا آدمی تھا۔ اُس کی منصف مزاجی اور فراخ دلی کی وجہ سے کوئی فریق کسی کا شاکی نہ تھا + یہاں کے باشندے عربی بدوؤں کے ساتھ تجارت کرتے تھے + اور سال کے اکثر حصوں میں ان بدوؤں کے خیمے شہر سے تھوڑے ہی فاصلے پر مشرق کی جانب جنگل میں لگے رہتے تھے + اکثر بدو شہر میں بھی آجاتے تھے۔ اُن کا افسر بھی آتا جاتا تھا۔ اُس کی بڑی عزت کی جاتی تھی۔ مگر لوگ اُس سے ڈرتے تھے۔ لیکن باوجود بدو ہونے کے اُس میں یہ حیرت انگیز وصف تھا کہ یہ شخص وعدے کا بڑا پکا تھا + مگر ساتھ ہی اس کے وہ ایک ایسا شخص تھا۔

کہ اگر اسے کوئی ذراسی تکلیف بھی دیتا تو اُسے انتقام لئے بغیر چین نہ آتا تھا*

جس جماعت طلبہ میں مَیں تعلیم پانے کیلئے داخل ہوا۔ اُسے شیخ موسیٰ درس دیتے تھے اس جماعت میں سب محنتی طالب علم تھے۔ اور چونکہ شیخ موسیٰ بڑے مستند اور جید عالم سمجھے جاتے تھے۔ اس لئے دُور دُور کے عالم اُن سے سند لینے آتے اور اُن کے درس میں حاضر رہتے تھے۔ میں نے اپنے بہت سے ہم جماعتوں سے دوستی پیدا کر لی اور اُنسے شام کے مسلمانوں کی رسوم و طریق معاشرت اور اُن کے بعض اعتقادات و توہمات کی نسبت بہت کچھ معلومات حاصل کر لیں۔ ہاں ایک مضمون تھا جسکی نسبت مجھے بہت کم معلومات حاصل ہوئیں۔ اور جو ہوئیں وہ بھی کچھ چنداں بیش بہا نہ تھیں۔ اور وہ یہ تھا کہ تعلیم یافتہ اور روشن خیال مسلمان علم روحانی کی نسبت کیا رائے رکھتے ہیں۔ شیخ موسیٰ اپنی تعلیم کے وقت اُسکا ذکر شاذ ہی کرتے تھے۔ اور اگر کرتے بھی تھے تو بالکل ہی سرسری طور پر جس سے یہ معلوم ہوتا تھا۔ کہ وہ اس باب میں قصداً کچھ کہنا ہی نہیں چاہتے۔ تمام علماء اس بات پر کامل یقین رکھتے تھے۔ کہ جنّوں کا وجود ہے۔ اور وہ اُن میں غیر معمولی طاقتیں ہوتی ہیں۔ مگر ساتھ ہی اس کے وہ یہ بھی کہتے تھے۔ کہ یہ اُن ہی لوگوں کو معلوم ہو سکتا ہے جنہیں اسکی خاص قابلیت خدا کی طرف سے عطا ہوئی ہو۔ وہ خود مجھے اسکی نسبت بتا نہ سکتے تھے*

قطیف میں جو گرجے کا پادری تھا۔ اس نے بھی یہی کہا۔ کہ یہ طاقت موجود تو ہے۔ مگر جادو ہے۔ اور دین مسیحی کے بالکل خلاف ہے۔ اِس لئے میں نے کبھی اسکی تحقیقات کی طرف توجہ نہ کی۔ اور نہ کبھی کروں گا۔ البتہ مسلمانوں میں سے ایسے آدمی ہیں جن میں یہ طاقت ہے۔ اور جو اسے استعمال میں لاتے ہیں۔ یہ طاقت شروع سے ہی نسلاً بعد نسل چلی آئی ہے۔ چنانچہ قدیم مصر کے لوگوں میں اس کے عامل ہوتے تھے۔ اور اسی طرح کسی حد تک بنی اسرائیل بھی۔ اور حضرت سلیمان نے بھی اپنے عہد کے آخری ایام میں اس کی طرف رجوع کی "*

پس پادری صاحب نے مجھے صرف اسی قدر حال بتایا۔ تب میں نے اور بہت معتبر ذریعوں سے اس بات کا پتہ چلانا چاہا۔ مگر مدت تک ناکام رہا +

گاؤں کے اوپر پہاڑ کی چوٹی پر سرو صنوبر کے گھنے درختوں میں ایک بڑی پتھر کی عمارت تھی۔ جس کے بیچوں بیچ ایک گنبد تھا + یہ عمارت بارھویں صدی میں ایک مسلمان ولی کی قبر پر بنائی گئی تھی + اہل اسلام اس ولی کو تمام علاقہ کا قطب اور محافظ خیال کرتے تھے۔ اور وقتاً فوقتاً لوگ اُس کی قبر پر زیارت کے لئے آیا کرتے تھے + گرد و نواح کے لوگ اپنی منتیں یا مرادیں پُوری کرنے کے لئے یا موسم خزاں میں گرمی کی فصل کٹنے کے بعد اُس مزار پر قربانی پڑھانے جایا کرتے تھے + یہ کسی پُرانے جاہلیت کے زمانہ کی رسمیں تھیں۔ اور ایک غیر محدود زمانے سے چلی آتی تھیں + پُرانے زمانے کے کنعانی درختوں کے جھنڈ کو جو بعل دیوتا کے لئے مخصوص تھا۔ لوگوں نے بدل کر مسلمان ولی کا مزار یا مقام بنالیا تھا۔ اور جس طرح مجاورین بعل کی جگہ درویش آگئے تھے۔ اسی طرح اہل کنعان کے سالانہ جشن کی بجائے اسی جگہ اُسی موسم اور اُسی ڈھنگ کا مسلمانی تہوار قائم کرلیا تھا +

میں اکثر پہاڑی کی چوٹی پر تازہ ہوا کھانے اور ارد گرد کے گاؤں کا نظارہ دیکھنے چڑھ جایا کرتا تھا۔ یہ نظارہ شام کی شفق میں خاصکر نہایت ہی خوبصورت معلوم ہوتا تھا + مغرب کی طرف دیکھنے سے سلسلۂ کوہ لبنان کی چوٹی جبل شیخ سب سے بلند اور شاندار دکھائی دیتی تھی چونکہ اس پر ہمیشہ برف رہتی ہے۔ اس لئے اس کی سفید براق درخشانی کھڈوں کی تاریکی اور اشجار صنوبر و بلوط کے پتوں کی گہری سبزی کے مقابلے میں نہایت پُرلطف معلوم ہوتی تھی +

اس سلسلۂ کوہ لبنان میں بہت سے چھوٹے چھوٹے قصبے اور گاؤں دکھائی دیتے تھے۔ اور اُن میں وہ پوری دلربائی موجود تھی جو مشرقی چیزوں میں دُور سے

دکھائی دیا کرتی ہے۔ ان میں سے بعض پہاڑ کی دھاروں پر تھے بعض وادی میں کوہ لبنان کی کسی برفانی شفاف ندی کے نزدیک واقع تھے۔ اور بعض کسی بہت اونچی اور دشوار گزار پہاڑی کی بلند ترین چوٹی پر تھے۔ جو اس قدر سیدھی اور ناہموار تھی کہ اُسکی بلندی کا اندازہ بھی دشوار معلوم ہوتا تھا۔ وہ دیہات اور قصبے ایسی چٹانوں کے درمیان تھے۔ جو اپنے ناقابل تسخیر قلعہ کی استواری کے بل پر جسارت آمیز سربلندی سے کھڑی تھیں ؛

جسوقت پہاڑیوں پر غروب ہوتے ہوئے آفتاب کی سنہری کرنیں پڑتی تھیں۔ تو طرح طرح کے خوشنما رنگ پیدا ہوتے تھے جن کی کیفیت کسی طرح قلم سے تحریر میں نہیں آسکتی۔ پہلے تو اُس کا رنگ چمکتے ہوئے سونے کی طرح معلوم ہوتا تھا۔ پھر نارنجی ہو جاتا تھا۔ اور پھر بالکل سُرخ انگارا۔ پھر گہرا قرمزی ہونے لگتا تھا۔ اور آخر میں ارغوانی۔ یہ رنگ پہلے علیحدہ علیحدہ دکھائی دیتے تھے۔ اور بعدازاں سب ملے جلے جن پر آسمان۔ ہوا۔ بادلوں اور زمین کا اثر جو ہمیشہ خوبصورت ہوتا ہے نہایت لطف پیدا کر دیتا تھا۔ مگر یہ ایسی خوشنمائی تھی جسے حقیقت میں کوئی بیان نہیں کرسکتا۔ اُن کے رنگوں کی خوشنما کیفیت کی تصویر تو مصوّر بھی نہیں کھینچ سکتا جب سورج پہاڑیوں کے پیچھے غروب ہوتا تھا۔ تو یہ رنگ سفید ہو جاتے تھے۔ اور سنسان اندھیرا ہو جاتا تھا۔ جو مشرقی ملکوں میں غروب آفتاب کے ساتھ ہی فوراً نمودار ہوتا ہے ؛

مشرق کی طرف صحرائے شام دُور دراز لامحدود وسعت سے پھیلا ہوا تھا۔ اور زرد ریت کا ایک سمندر معلوم ہوتا تھا۔ جہاں تک نظر کام کرتی تھی۔ کوئی گھر یا درخت یا جھاڑی دکھائی نہیں دیتی تھی۔ مشرق اور مغرب دونو طرف سے نظارے نہایت موثر تھے۔ ایک طرف تو آدمی۔ درخت۔ ندی۔ نالے۔ شہر۔ قصبے تھے۔ دوسری طرف موت تباہی اور ایک ہولناک ویرانہ جس میں آدم نہ آدم زاد۔ مشرقی ملکوں میں جہاں پُرانی حالت

میں تبدیلی بہت ہی کم دیکھنے میں آتی ہے۔ اس قسم کے اختلافات بیرونی دنیا اور اندرونی زندگی میں ہمیشہ دکھائی دیتے ہیں ؛

باب دُوسرا

درویش

ایک دن شام کے وقت جب میں ولی کی قبر پر جارہا تھا۔ مجھے راستے میں بہت سے آدمی۔ عورتیں اور بچے ملے۔ وہ بھی وہیں جارہے تھے ؛ اُن کے آگے آگے اَور آدمی اور لڑکے جارہے تھے۔ جن میں سے بعضوں کے ہاتھوں میں بڑے بڑے جھنڈے تھے۔ جن پر قطعات اور قرآن کی آیتیں لکھی ہوئی تھیں۔ اور بعضوں کے پاس چھوٹے بڑے مختلف قسم کے ڈھول اور جھانج تھے۔ جن کے شور سے کان کے پردے پھٹے جاتے تھے۔ باقی اس بے تکے راگ سے سُر ملاکر گارہے تھے۔ اور عجب بے ڈھنگے پن سے ناچ اور کُود رہے تھے ؛ میں نے ان کے نزدیک جاکر دیکھا۔ کہ چار شخص اس گروہ میں سے لنگوٹ باندھے کمر تک برہنہ ننگی تلواریں لے کر ناچ رہے تھے۔ کبھی کبھی وہ ان تلواروں سے اپنے جسم کے ننگے حصے پر ضرب لگاتے تھے۔ مگر اس صفائی سے کہ خون بالکل نہ نکلتا تھا۔ اور جب کبھی وہ کھڑے ہوکر یہ عجیب و غریب کرتب دکھاتے تھے۔ تو عورتیں خوشی اور تعریف کے گانے چیخ چیخ کر گاتی تھیں ؛

اِس مجمع میں ایک درویش بھی تھا۔ جو اوروں کی طرح دھڑ تک ننگا نہ تھا۔ مگر سر سے ننگا تھا۔ اور کُھلے بال کندھوں پر پڑے تھے۔ وہ کھڑا ہوا گھوم رہا تھا۔ یا یوں کہو کہ اپنے سر کو ایک طرف سے دُوسری طرف مارتا تھا۔ اور زور زور

سے اللہ اللہ کہتا تھا جب تک سب لوگ قبر پر نہ پہنچے۔ وہ یوں ہی کرتا رہا۔ یہاں پہنچ کر تلوار والوں نے تلواریں رکھ دیں اور باجا بھی بند ہو گیا۔ اب ایک حلقہ بنا لیا گیا۔ اور درویش اُن کے بیچ میں کھڑا ہو گیا۔ باجا پھر آہستہ آہستہ بجنا شروع ہوا۔ مگر رفتہ رفتہ بڑھتا گیا۔ اور زیادہ جلد ہی جلدی بجنے لگا۔ اور باجے کے سُر کے ساتھ ساتھ درویش نے بھی جسم ہلانا اور سر مارنا شروع کیا۔ پہلے آہستہ آہستہ۔ مگر بعد میں زور زور سے۔ اور ساتھ ہی بلند آواز سے اللہ اللہ کے نعرے لگاتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ اُس کے مُنہ سے جھاگ نکلنے لگ گئی۔ وہ گر پڑا اور بیہوش ہو گیا۔

اب اس کی جگہ دوسرا درویش کھڑا ہو گیا۔ اُس کے سر پر ایک بڑا بھاری سرخ پگڑ تھا۔ اور رنگا رنگ پیوندوں کا چوغہ پہنے ہوئے تھا۔ اور اُس کے اوپر سبز ریشم کا ایک اور چوغہ تھا۔ گلے میں لکڑی کے دانوں کی ایک لمبی تسبیح ڈال رکھی تھی ہاتھ میں ایک چھوٹی سی برچھی تھی۔ اور یہ سب سامان اس لئے تھا۔ کہ اس سے حکومت تقدس اور مفلسی ثابت ہو۔ اب تک یہ شخص کسی کارروائی میں شریک نہیں ہوا تھا۔ صرف اپنے مُنہ میں کچھ بڑبڑاتا رہا۔ جب لمبے بالوں والا درویش گر پڑا۔ تو یہ اُٹھ کر اُس کے پاس گیا۔ اُس کے چہرے اور ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرا۔ اور کچھ آہستہ سے اس کے کان میں کہا۔ پھر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور مرحوم ولی کا نام لیکر اُسے اونچا اُٹھایا۔ اور کھینچ کر اُسے مقبرے میں لے گیا۔ اور چند ہی منٹ میں اُسے بالکل بھلا چنگا باہر لے آیا۔ لوگ سُرخ پگڑی والے فقیر کی طرف دوڑے جسکا نام شیخ قاسم تھا۔ اور بڑے اعتقاد اور عزت سے اُس کے ہاتھ کو بوسے دینے لگے۔

اس مجمع میں ایک شخص قطیف کا رہنے والا امیر او اقف تھا۔ میں نے اُس سے پوچھا۔ کہ ان سب باتوں کا کیا مطلب ہے؟ اور سُرخ پگڑی والا کون شخص ہے؟ اُس نے جواب دیا۔ کہ یہ شیخ قاسم ہے۔ جو بڑا مشہور درویش اور بزرگ کامل ہے۔

یہ پاس کے ایک گاؤں میں رہتا ہے۔ اور لوگ اس کی بڑی عزت کرتے ہیں کیونکہ انسانوں۔ حیوانوں۔ جنوں اور بھوت پریت سب پر اس کو بڑا اختیار ہے یہ سب لوگ ولی کی قبر پر منت پوری کرنے آئے ہیں۔ اور شیخ قاسم نے اس موقع پر خود اس کا اہتمام کیا ہے + جو لوگ تلواریں مار رہے تھے۔ وہ یہ کام انہیں شیخ قاسم کے حکم سے کر رہے تھے۔ اور انہیں کے عمل کی برکت تھی۔ کہ وہ تلواروں کی ضرب کھا کر بالکل بچے رہتے تھے + لمبے بالوں والا شخص بھی درویش تھا۔ مگر رتبے میں شیخ سے کم درجے پر تھا۔ اس وقت اُس پر ایک آسیب کا زور تھا جو اُس کے اختیار سے باہر تھا۔ کیونکہ یہ آسیب صرف شیخ قاسم ہی کے قابو کا تھا +

اس شخص نے جو قطیف کا مسلمان سوداگر تھا۔ مگر ناخواندہ تھا۔ مجھے یہ بھی بتایا کہ بہت لوگ شیخ قاسم کے معتقد ہیں۔ اور وہ یہ مانتے ہیں۔ کہ یہ روحوں اور جنوں کو بلا سکتا ہے۔ اور یہ روحیں اور جنات آدمیوں اور اور شکلوں میں جن میں وہ انہیں بلانا چاہے۔ آتے ہیں اور اس شخص میں اور بھی عجیب و غریب طاقتیں ہیں +

میں نے اُس شخص سے کہا۔ کہ مجھے بھی کسی طرح شیخ سے ملا دو۔ اُس نے مجھے شیخ سے ملا دیا + میں نے شیخ سے کہا کہ میں نے اپنے دوست سے آپ کے حالات اور آپ کی روحانی طاقتوں اور عملیات کا ذکر سنا ہے۔ اور آپ میرے حال پر بڑی عنایت کریں گے۔ اگر مجھے اپنی روحانی مجلس میں شریک ہونے دیں لیکن اُس نے بہت سی مشکلات بتائیں۔ اور معلوم ہوتا تھا۔ کہ اس سے روحانی عملیات دکھانے کا وعدہ لینے کے لئے بہت سے اصرار کی ضرورت ہے + اُس نے کہا کہ اس قسم کے عملیات کا نظارہ دکھانا سخت مشکل معاملہ ہے۔ اور اس میں بہت زیادہ خرچ ہوگا۔ کیونکہ اثنائے عمل میں بعض نایاب ادویہ اور اور خوشبوؤں کا استعمال نہایت ضروری ہے + مگر آخر کچھ دیر بعد شیخ قاسم راضی ہوگیا۔ اور میرے مکان پر مجلس کرنے

کا وعدہ کیا۔ میں نہایت خوش ہوا۔ کہ جس بات کی مجھے عرصے سے دھن لگ رہی تھی۔ اُس کا حال اب آخر کار معلوم ہو جائیگا۔ اور میں خود حاضرات کی ایک مجلس میں شریک ہوں گا۔ مگر شیخ کی گفتگو اور وضع قطع سے میری تسلی نہ ہوئی۔ اس کی گفتگو سے ظاہر ہوتا تھا۔ کہ وہ جاہل مطلق آدمی ہے۔ اور چونکہ وہ بار بار کہتا تھا۔ کہ حاضرات کے لئے نہایت قیمتی بوٹیاں اور خوشبوئیں درکار ہوں گی جن پر بہت سا روپیہ صرف ہوگا۔ اس سے مجھے معلوم ہوتا تھا۔ کہ یہ شخص جھوٹا ہے۔ اور یہ سب روپیہ اُڑانے کی ترکیبیں ہیں۔ تو بھی میں نے یہ کہکر اپنی تسلی کر لی۔ کہ جنات اپنے لئے اکثر ایسے ہی عجیب آدمی پسند کیا کرتے ہیں۔ اس لئے ممکن ہے۔ کہ شیخ قاسم بھی انہیں میں سے ہو۔ چنانچہ میں نے اُسے ضروری چیزوں کی خرید کے لئے چند مجیدی سکے دئے۔

دوسرے دن سبق کے بعد میں نے شیخ موسٰی سے یہ سارا ماجرا بیان کیا۔ اور شیخ قاسم سے جو قرارداد ٹھہری تھی۔ اُس کا بھی حال سُنایا۔ شیخ موسٰی نے کہا۔ کہ بہتر ہے۔ کہ پہلے تم شیخ قاسم کا حال دیکھو۔ کہ وہ کیا کر سکتا ہے۔ اس کے بعد ہم تم اس باب میں پھر کسی وقت گفتگو کریں گے۔

آخر وہ وعدے کی رات آگئی۔ اور میں نے شیخ قاسم کا بڑی بے صبری سے انتظار شروع کیا۔ مگر وہ وقت کا پابند نہ تھا۔ مقررہ وقت سے دو گھنٹہ بعد آیا۔ اُس کے ساتھ اور جوان آدمی تھا۔ جو تازہ ہی شیخ بنا تھا۔ اُس کے سر پر بڑی سی سبز پگڑی تھی۔ جو اس بات کی علامت تھی۔ کہ وہ پیغمبر خدا کی اولاد میں سے ہے۔ جس شخص نے شیخ قاسم سے میری ملاقات کرائی تھی۔ وہ بھی ہمراہ تھا۔ آخر ہم کمرے میں داخل ہوئے۔ شیخ کے کہنے کے بموجب اس میں سے تمام اسباب نکال دیا گیا تھا اور صرف دو یا تین چھوٹی جانمازیں باقی رہ گئیں تھیں۔ شیخ قاسم سیدھا سامنے

کونے کی طرف گیا۔ اور ایک جا نماز پر اوندھا لیٹ گیا۔ وہ مجھ سے بالکل نہ بولا۔ اور سلام تک بھی نہ کیا+ وہ خود بخود کچھ مُنہ ہی مُنہ میں بڑبڑاتا رہا جسے میں نہ سمجھ سکتا تھا+ کچھ عرصے بعد خاموش ہو گیا۔ اور اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ اور آنکھیں بند کر لیں۔ پہلے ایک طرف ہاتھ مارنے شروع کئے۔ پھر دوسری طرف + اُس کا ساتھی مجھ سے کہنے لگا۔ کہ اس وقت یہ بالکل عالم بے خودی میں ہے اور رُوحوں سے باتیں کر رہا ہے +

پندرہ منٹ تک شیخ قاسم اسی بے خودی کے عالم میں رہا+ اس کے بعد اُس نے آنکھیں کھولیں۔ اور اپنے ساتھی کو اشارہ کیا+ وہ باہر سے دہکتے ہوئے کوئلوں کی انگیٹھی اُٹھا لایا۔ جو پہلے ہی سے خوشبو کے لئے تیار رکھی تھی+ اس انگیٹھی کو کمرے کے بیچوں بیچ میں رکھ دیا۔ اور دونو شیخ اُس کے دونو طرف بیٹھ گئے+ میں شیخ قاسم کے سامنے بیٹھ گیا۔ اور اُس کی تمام کارروائی کو غور سے دیکھنا شروع کیا+ اُس نے جیب میں سے خوشبو کی ایک پُڑیا نکالی۔ یہ بوٹیوں سے تیار کی گئی تھی+ اور وہ اُس نے اپنے ساتھی کو دی۔ کہ تھوڑی تھوڑی کر کے آگ پر ڈالتا جائے+ شیخ قاسم بیٹھے بیٹھے اپنا جسم اور سر آگے پیچھے اور کبھی ایک طرف سے دوسری طرف ہلانے لگا۔ اور نہایت کریہہ آواز میں یا ہُو یا ہُو کہنا شروع کیا+ تھوڑی دیر کے بعد ان الفاظ کی بجائے یا مبارک یا تاروش یا تاروشین کہنے لگا۔ کہتے ہیں یہ بڑے مشہور جنّوں اور رُوحوں کے نام ہیں+

اسی طرح وہ دیر تک کرتا رہا۔ خوشبو کے دھوئیں سے تمام کمرہ بھر گیا۔ اور شیخ قاسم کی آواز بھی اونچی ہوتی چلی گئی۔ اس کے بعد وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ کمرے میں کئی چکر لگائے۔ اور تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد تاروش اور تاروشین کو حاضر ہونے کے لئے آوازیں دیں+ آخر وہ یکایک ٹھہر گیا۔ اور اپنے ہاتھ سے کمرے کے ایک کونے کی طرف اشارہ کیا۔ یہ دکھانے کو کہ اُسے کوئی چیز دکھائی

دیتی ہے۔ مگر ہم میں سے کسی کو بھی کچھ دکھائی نہ دیا۔ اس لئے اُس نے پھر روحوں کو بُلانا شروع کیا۔ مگر سب باتیں بالکل بے فائدہ تھیں۔ تاروش اور تاروشین دونو میں سے کوئی بھی نہ آیا +

جب تک تمام خوشبو ختم نہ ہو گئی۔ وہ یہی کرتا رہا۔ پھر شیخ قاسم جانماز پر جا پڑا۔ آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے ساتھی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور بہت سے ولیوں اور پیغمبروں کے نام لے کر بڑے زور سے اُسے اُٹھایا + اب دھوئیں اور تیز خوشبو اور اس خیال نے کہ مجھے دھوکا دیا جا رہا ہے۔ مجھے بہت بے صبر کر دیا۔ مگر شیخ قاسم نے کہا۔ کہ اکثر روحیں پہلی دفعہ بُلانے پر نہیں آجاتیں۔ اور خاص کر غیر کے سامنے۔ اور چونکہ آج کی رات کے ستارے ہمارے حسب مطلب نہیں ہیں۔ اس لئے میں کل پھر تجربہ کروں گا۔ اور یقین ہے کہ کامیابی ہو گی + میرے دوست نے بھی جو اُن کے ہمراہ آیا تھا مجھ سے کہا کہ مایُوس ہونے کی کوئی بات نہیں کیونکہ رُوحوں کے لئے یہ معمولی بات ہے۔ کہ پہلی بار آنے سے انکار کر دیتی ہیں + اس کے کہنے کے مطابق میں نے شیخ قاسم کو اور روپے دئے +

دوسری رات بھی شیخ قاسم نے تقریباً سب کچھ اسی طرح کیا۔ اور اُس نے پہلی رات کی نسبت بہت زیادہ محنت کی۔ مگر ضدی روحیں نہ آئیں۔ اور آنے سے برابر انکار ہی کرتی رہیں +

میرے دوست نے اب مجھے تیسری بار آزمایش کرنے کی ترغیب دی۔ پہلے تو میں نے انکار کیا۔ مگر بعد میں میں راضی ہو گیا۔ اور چند اَور مجیدیاں خوشبو خریدنے کے لئے اُسے دیں + اب کی دفعہ شیخ قاسم اور اُس کا ساتھی دونو بڑی سرگرمی سے مشغول ہوئے۔ چیخے چلائے۔ پہلے سے زیادہ زور لگایا۔ اور خوب ہاتھ ہلا ہلا کر پھر اپنے ہاتھوں سے کمرے کے ایک کونے کی طرف اشارہ کیا۔ گویا انہیں کچھ دکھائی

دے رہا ہے۔ پھر وہ آہستہ سے کمرے کے اس کونے میں گئے۔ اور کچھ دیر کے لئے وہاں بیٹھ گئے + پھر شیخ قاسم نے ایک خیالی شخص سے گفتگو شروع کر دی۔ اور کہنے لگا۔ کہ یہ تاروش ہے۔ مگر مجھے کچھ دکھائی نہ دیا۔ اور نہ شیخ قاسم اور اُسکے ساتھی کی آواز کے سوا اور کوئی آواز ہی سُنائی دی + کچھ دیر تک یہی حالت رہی۔ آخر شیخ قاسم اور اُس کے ساتھی نے اِس خیالی روح کو رخصت کیا۔ اور مجھ سے کہا کہ "معلوم ہوتا ہے۔ رُوحیں اس ہفتہ میں نہایت مصروف ہیں۔ مگر آیندہ ہفتے وہ ضرور ملیں گی"+ اب میرے یقین کے لئے یہ کافی سے زیادہ تھا۔ کہ شیخ قاسم کا علم محض دھوکا ہے۔ اور مطلب صرف روپیہ اُڑانا ہے +

میں دوسرے دن شیخ موسٰی کے پاس گیا۔ اور اُسے شیخ قاسم کا سب حال سُنایا۔ اور یہ بھی بتایا۔ کہ اسے میرے مکان پر کس طرح تین دفعہ ناکامی ہوئی ہیں نے یہ بھی کہا۔ کہ کیسی عجیب بات ہے۔ کہ جو باتیں میں نے ولی کی قبر پر دیکھیں۔ اور جن کی نسبت میں نے سُنا ہے۔ کہ وہ مسلمانوں کے مذہب کا ایک جزو ہیں۔ شیخ قاسم جیسے جاہل آدمی کے ہاتھ میں ہیں +

شیخ موسٰی نے جواب دیا۔ کہ نہیں۔ نہیں۔ وہ باتیں جو تم نے ولی کی قبر پر دیکھیں۔ ہمارے مذہب کا جزو نہیں ہیں + ہمارے پیغمبرؐ نے کبھی ان کی تلقین نہیں کی۔ نہ قرآن میں ان کا ذکر ہے۔ نہ حدیثوں کی رُو سے وہ جائز ہیں + تمام بڑے بڑے واعظ اور خطیب ان کے خلاف لکھ چکے ہیں۔ مگر چونکہ یہ پُرانی رسُوم ہیں۔ اور بُت پرستی کے زمانے سے برابر چلی آتی ہیں۔ اور شیخ قاسم جیسے آدمی عوام کو ان کی ترغیب بھی دلاتے رہتے ہیں۔ اس لئے عام لوگ انہیں نہیں چھوڑتے + جاہل آدمیوں کو ان توہمات سے چھڑانا ناممکن نہیں۔ تو سخت مشکل ضرور ہے۔ بلکہ بعض حالتوں میں تو خواندہ آدمی بھی ان میں بے طرح گرفتار ہو جاتے ہیں خصوصًا جب کہ اُن کے

ساتھ ظاہری تجمّل مثلاً جلوس اور باجا ہو۔ اور بناوٹی کرامتیں بھی دکھائی جائیں۔ جیسی تم نے ولی کی قبر پر دیکھی تھیں + یہ نام کا شیخ جاہلوں کی بے وقوفی اور وہموں سے فائدہ اُٹھاتا ہے۔ اور اس کے ذریعے اپنی روٹی کا گزارہ چلاتا ہے + اس کے ساتھی اُس سے ملے ہوئے ہیں۔ اور لوگوں کو اس بات کی ترغیب دیتے پھرتے ہیں۔ کہ جو کچھ وہ کہتا اور کرتا ہے۔ سب سچ ہے۔ تاکہ اُس کی شہرت قائم رہے۔ اور وہ سب نفع حاصل کرتے رہیں + میں نے تمہیں شیخ قاسم کے شعبدے دیکھنے سے قصداً منع نہیں کیا تھا۔ حالانکہ مجھے معلوم تھا۔ کہ اس کے تمام دعوے جھوٹے ہیں۔ اور بہت بڑا دغاباز اور مکّار ہے۔ مگر میں نے یہی مناسب سمجھا۔ کہ بعض لوگوں میں جو اس قسم کی باتیں ہیں۔ اُن سے بھی تم بخوبی واقف ہو جاؤ +

میں نے کہا۔ اس کا کیا باعث ہے۔ کہ بہتیرے پڑھے لکھے مسلمان بھی رُوحانی طاقت کے قائل ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ جس شخص میں یہ طاقت ہوتی ہے۔ وہ رُوحوں اور جنّوں سے گُفتگو کر سکتا ہے +

شیخ موسٰی نے جواب دیا۔ کہ میں خود بھی علم رُوحانی کا قائل ہوں۔ اور مجھے معلوم ہے۔ کہ پہلے بعض آدمیوں میں یہ طاقت تھی۔ اور اب بھی کئی لوگوں میں ہے اور وہ غیر مرئی دنیا کے رہنے والوں سے باتیں کر سکتے ہیں۔ لیکن وہ شیخ قاسم جیسے شخص نہیں ہوتے + ایسے لوگ سالہا سال نفس کُشی اور غور و فکر سے روحانی زندگی کے مطالعہ میں مشغول رہتے ہیں۔ اور جب یہ طاقت انہیں خاص طور پر عطا ہوتی ہے تو وہ لوگ اُسے اپنے روحانی علم کے بڑھانے۔ روح کی کیفیت کو سمجھنے اور پوشیدہ ہستیوں کی دریافت میں صرف کرتے ہیں + یہ علم اس طاقت سے بالکل مختلف ہے۔ جس سے یہ لوگ ذرا ذرا سی بات پر روحوں کے بُلانے۔ لوگوں کو تماشا دکھانے۔ حب کے تعویذ لکھوانے یا پوشیدہ دفینے دریافت کرنے کا دعوٰے کرتے

ہیں + اس طاقت کا دعوے باکل باطل ہے۔ اور ان لوگوں کا مقصد صرف زر اُڑانا ہوتا ہے + میرے خیال میں یہ لوگ امریکہ اور یورپ کے اُن برا ے نام عالمان علم روحانی کے مشابہ ہیں جن کی نسبت میں نے کتابوں میں پڑھا اور سُنا بھی ہے۔ کہ وہ مُردوں سے بات چیت کر لینے کا دعوے رکھتے ہیں۔ رُوحوں کا آنا اپنے جسم ہاتھ پاؤں سے ثابت کرتے ہیں۔ اور بعض اوقات عجب مضحکہ خیز طریق سے میزیں اُلٹ دیتے۔ اور پلنگ ہوا میں معلق کر دیتے ہیں + میں نے یہ بھی سُنا ہے۔ کہ تمہارے ملک میں بہت سے تعلیم یافتہ اُس فرضی طاقت کے قائل ہو گئے ہیں + جب تمہارے تعلیم و تہذیب یافتہ ملکوں کا یہ حال ہے۔ تو یہ کون سی تعجب کی بات ہے۔ کہ اس ملک میں جو توہمات اور خیالی باتوں سے پُر ہے۔ جاہل لوگ شیخ قاسم جیسے آدمیوں کی باتوں کو سچ مان لیں + میں خود تمہیں علم روحانی کے متعلق کچھ نہیں بتا سکتا۔ بہتر ہے۔ کہ تم کسی اور سے سیکھو جس میں اس علم کی قابلیت اور طاقت ہو۔ لیکن مجھے یقین ہے۔ کہ تم نہایت محدود علم حاصل کر سکو گے خیر پھر بھی میں تمہاری خاطر اپنے ایک عالم دوست سے جو اسی قصبے میں رہتا ہے۔ کہوں گا۔ اور مجھے امید ہے۔ کہ وہ میری درخواست پر تمہیں خوشی سے روحانی علم سکھا دے گا +

باب سوم

شیخ حسن

اُن عالموں میں سے جو کبھی کبھی شیخ موسیٰ کی جماعت میں پڑھتے تھے۔ ایک شخص ایسا تھا جس سے میں مدت تک واقفیت پیدا نہ کر سکا + وہ اکثر مدرسے

میں دیر سے پہنچا کرتا تھا۔ اور سبق ختم ہونے سے پہلے ہی چل دیتا + وہ کسی سے کلام تک نہ کرتا تھا۔ یہاں تک کہ رسمی السلام علیکم کے سوا اُس نے کبھی کوئی بات نہ کی تھی + وہ ہمیشہ آکر کمرے کے ایک سرے پر بیٹھ جاتا۔ سر جھکائے۔ ایک ہاتھ سے ٹیک لگائے بیٹھا رہتا۔ فرش سے آنکھیں نہ اُٹھاتا۔ اور بالکل خاموش اور بے حس و حرکت رہتا۔ البتہ کبھی کبھی شیخ موسیٰ کی تقریر پر سر ہلاتا +

اِس شخص کا نام شیخ حسن المغربی تھا۔ المغربی ایک عربی اصطلاح ہے جو الجیریا ٹیونس اور طرابلس کے رہنے والے کے لئے بولتے ہیں + وہ بلند قد اور دُبلا بدن۔ چہرہ لمبا۔ رنگ سیاہ تھا اور اُونچی نوک دار ناک۔ کالی مونچھیں۔ چھوٹی سی داڑھی جو صرف ٹھوڑی ہی پر تھی۔ اور اُس میں چند بال سفید تھے + صاف چھوٹی چھوٹی سیاہ اور تیز آنکھیں تھیں۔ ہمیشہ ابرؤوں پر بل رہتا تھا۔ اور چہرے سے اُداسی برستی تھی جس سے یہ ظاہر ہوتا تھا۔ کہ وہ نہایت غم و الم میں رہتا ہے۔ یا اُسے آرام اور نیند کا موقع کم ملتا ہے + عمر پچاس کی معلوم ہوتی تھی۔ مگر در حقیقت اتنی نہ تھی + حرکات سے بہت شرمیلا معلوم ہوتا تھا۔ اس کے لمبے لمبے ہاتھ نہایت نازک تھے + جن میں سے ایک میں اکثر تسبیح ہوا کرتی تھی + میں نے بہت دفعہ چاہا۔ کہ شیخ حسن سے تعارف پیدا کروں۔ لیکن اُس نے کچھ توجہ نہ کی + میں سمجھا۔ کہ یہ بے توجہی تعصب کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ اہل مغرب اکثر شام کے باشندوں سے زیادہ متعصب ہوتے ہیں + میں یہ خیال کرتا تھا۔ کہ وہ مجھے عیسائی سمجھ کر مُنہ نہیں لگاتا +

اس دن کی گفتگو کے چند روز بعد شیخ موسیٰ نے ایک دن مجھے شیخ حسن سے ملانے کے لئے گھر پر بلایا۔ اُس کا مطلب یہ تھا۔ کہ میں شیخ حسن سے واقف ہو جاؤں۔ اور اگر ممکن ہو سکے۔ تو اُس سے دوستی پیدا کر لوں۔ کیونکہ اس شخص سے

علم روحانی کا حال معلوم ہو سکتا ہے ؛
شیخ موسیٰ نے شیخ حسن سے بہت کچھ کہا تھا۔ اور شیخ حسن نے بتانے کا وعدہ بھی کر لیا تھا ؛ آخر شیخ حسن نے مجھ سے کہا۔ کہ میرے مکان پر جو مسجد کے قریب ہے۔ آؤ۔ کیونکہ وہاں تخلیہ ہے۔ آزادی سے گفتگو کر سکیں گے ؛ جب میں دوسرے دن دوپہر کے بعد اُس کے پاس پہنچا۔ تو وہ ایک خاص طریق سے میرے استقبال کے لئے اُٹھا ؛ کمرہ بالکل معمولی حیثیت کا تھا۔ اور اُس میں بہت ہی کم سامان تھا۔ ایک طرف ایک چھوٹی سی جانماز بچھی ہوئی تھی۔ ایک پیتل کی صراحی اور ایک پیالہ رکھا تھا۔ اور ایک معمولی ہشت پہلو میز پر ایک پیتل کا چراغ دھرا تھا ؛ ایک لکڑی کا بنچ جو زمین سے تین یا چار انچ اونچا ہو گا۔ ایک کونے میں بچھا تھا۔ اُس پر ایک کمبل پڑا ہوا تھا۔ اور اُس پر شیخ سویا کرتا تھا ؛
ایک طرف چھوٹا سا صندوق تھا جس میں اُس کی کتابیں اور کپڑے رکھے تھے۔ اور ایک طرف ایک مٹی کی صراحی تھی۔ بس یہی اُس کمرے کی ساری کائنات تھی۔ جس سے پرلے درجے کی کفایت شعاری ظاہر ہوتی تھی ؛ اُس کے غمگین چہرے اور گھبراہٹ والی حرکات سے اُس کا اندرونی غم ظاہر ہوتا تھا۔ اور اُس پر ہر ایک کو رحم آتا تھا۔ لیکن اگر اُس کے ساتھ انسان چند منٹ بات چیت کرے۔ تو معلوم ہو جاتا تھا۔ کہ وہ بڑا سوچ سمجھ والا اور عاقل آدمی ہے ؛
شیخ حسن نے مجھ سے کہا "شیخ موسیٰ نے مجھ سے ذکر کیا تھا۔ کہ میں تم کو علم روحانی کے متعلق کچھ بتاؤں۔ اور چونکہ تم اُسے محض تماشے کے طور پر دیکھنا نہیں چاہتے۔ بلکہ کچھ سیکھنا چاہتے ہو۔ اس لئے جس قدر مجھے اجازت ہے میں تمہیں سکھا دوں گا" ؛
اس کے بعد میں مدت تک شیخ حسن کے پاس جاتا رہا۔ ایک دن شیخ حسن نے مجھ سے کہا۔ کہ اس مہینے میں چاہتا ہوں۔ کہ تمہیں روحوں کے حاضر ہونے کے جلسے

میں شریک کروں۔ تاکہ تم روحوں کو جنہیں میں بلاؤں گا۔ اچھی طرح دیکھ سکو + میں پچھلے مہینے سے تیاری کر رہا ہوں۔ اور پندرہ روز تک اور تیاری کروں گا۔ مگر پیشتر اس کے کہ میں تمہیں اپنے جلسے میں شریک کروں۔ مناسب ہے کہ تم اُس کی نسبت کچھ سمجھ لو + میں تمہیں اس علم و طاقت پر حاوی تو نہیں کر سکتا۔ البتہ اس کا مدّعا و مقصد سمجھا سکتا ہوں لیکن تمہیں اسی طرح تیار و آمادہ ہونا چاہئے جس طرح حاضرات کے جلسے میں شریک ہونے والے ہمیشہ ہوا کرتے ہیں + ان امور میں شامل ہونے کے لئے جسمانی و روحانی استقلال اور طبیعت پر قابو رکھنا نہایت ضروری ہے۔ اور جب تک تم میں یہ باتیں پیدا نہ ہوں۔ حاضرات میں تمہاری موجودگی کام کو روکنے کا باعث ہو گی + تم اپنے دل کو مضبوط رکھنا۔ کیونکہ جو روحیں دکھائی دیں گی۔ وہ تمہارے پائے ثبات کو لڑکھڑا دینے کی کوشش کریں گی۔ بعض تو خوفناک شکلیں بن کر نظر آئیں گی۔ کہ تمہیں ڈرائیں۔ اور بعض اچھی اور رحم آمیز صورت میں سامنے آئیں گی۔ تاکہ تمہاری طبیعت پر قابو پائیں۔ گویا ان کا مقصد یہ ہو گا۔ کہ ڈرا کر یا پھسلا کر کسی طرح ہمارے عمل کو خراب کر دیں +

اب تمہارے استقلال و تحمّل کا امتحان ضروری ہے + اگر تم ان شرائط کو منظور کرتے ہو۔ تو بیٹھ جاؤ۔ اور میں وظیفہ پڑھتا ہوں۔ اس کے بعد تم گھر چلے جانا۔ وہاں تین دن اور تین راتیں ٹھہرنا۔ جمعہ کی شام کو میرے پاس آ کر اپنا منشا ظاہر کرنا۔ بس تمہارے اس اظہار منشا پر آیندہ عمل منحصر ہے + جب میں اپنا وظیفہ پڑھ چکوں۔ تو مجھ سے بالکل نہ بولنا۔ بلکہ اُٹھ کر سیدھے گھر چلے جانا۔ اور اپنے نوکر سے کہہ دینا۔ کہ اگر تمہیں کوئی ملنے آئے تو اُسے کہہ دے۔ کہ تم گھر میں نہیں ہو۔ اتنے عرصے میں اَور تمام باتوں کو بھول جاؤ + بس یہی خیال ہر وقت تمہارے دل میں رہنا چاہئے کہ تم میرے ساتھ عمل میں شریک ہو گے + اپنے دل میں شرکت عمل کی خواہش کو روز افزوں کرو + میں تمہیں ایک کتاب دوں گا۔ تم اُسے اس عرصے میں

پڑھتے رہنا + یہ کتاب اس مضمون پر ہے۔کہ روح کو جسم پر کس قدر قدرت حاصل ہے +
اس عرصے میں کھانے پینے کی کچھ ممانعت نہیں ہے معمولی طور پر کھاؤ۔ پیو۔اپنے باغ میں سیر کرو۔خلاصہ یہ کہ کسی عادت کو بدلنے کی حاجت نہیں۔البتہ وہ چیزیں نہ کھانا جن کی ہمارے مذہب میں ممانعت ہے +اور شراب بھی نہ پینا+ جمعہ کی شام کو تم میرے پاس آجانا۔میں تمہارا منتظر رہوں گا +

میں نے سب کچھ منظور کرلیا۔اور اُس نے مجھے کتاب دے دی۔اور فوراً اپنا وظیفہ شروع کیا مگر میں اُسے سمجھ نہ سکتا تھا۔بعدازاں اُس نے روح کو طلب کرنے کے احکام پڑھنے شروع کئے۔مگر وہ بھی آہستہ آہستہ۔پھر آخر کار کھڑا ہو گیا۔ اور مجھے اشارہ کیا۔کہ جاؤ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔اور سیدھا گھر چلا آیا + آفتاب غروب ہونے میں کوئی ایک گھنٹہ باقی تھا۔میں نے نوکر سے کہا۔کہ میں جمعہ کے دن تک عبادت کے لئے خانہ نشین ہونا چاہتا ہوں۔اور اگر کوئی شخص مجھے بلانے آئے۔ تو اُس سے کہ دو۔کہ میں نہیں مل سکتا۔مگر میرے اور معمولات میں کچھ فرق نہ آئے گا +

میرے نوکر نے اس پر کچھ تعجب ظاہر نہ کیا۔کیونکہ طالب علموں اور عالموں کے لئے چند روز گھر میں بند رہنا بالکل معمولی بات ہے۔ اور اس لئے میرے مدرسے نہ جانے میں بھی کوئی حرج نہ تھا +

جب سورج غروب ہوا۔ تو میں نے حسب معمول باغ کی سیر کی۔اور برآمدے میں جس پر انگور کی بیلیں چڑھی ہوئی تھیں۔کھانا کھایا + اس کے بعد جو کچھ شیخ حسن نے کہا تھا۔اُس پر غور کرنا شروع کیا + اس کتاب کے چند باب پڑھے۔اور پھر نہا کر سو گیا + کوئی تین گھنٹے سویا تھا کہ یکایک میری آنکھ کھل گئی۔ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ میرے سینے پر بڑا بوجھ رکھا ہے۔اور میں مشکل سے دم لے سکتا تھا۔کچھ دیر تک

تو میں بالکل بے حس پڑا رہا۔ آخر مجھے قریب ہی سے ایک آہستہ آواز سُنائی دی :-

"نہیں۔ تمہارے لئے یہ مناسب نہیں۔ اسے چھوڑ دو۔ یہ بہت بُری بات ہے۔

یہ نہایت خوفناک ہے۔ تمہیں اس کا خیال بھی چھوڑ دینا چاہئے"!!

میری چھاتی پر زیادہ بوجھ پڑنا شروع ہو گیا میں نے بولنے کی کوشش کی مگر بے سُود + یوں معلوم ہوتا تھا کہ میری زبان کسی نے باندھ رکھی ہے۔ عضلہ بالکل بے حرکت ہو گئے تھے۔ آخر بڑی کوشش سے میں نے لمپ جو میرے قریب ہی رکھا تھا۔ جلایا + اس وقت میرے تمام جسم کی عجیب حالت تھی + اسے وہی شخص جان سکتے ہیں جنہیں کبھی تپ لرزہ ہوا ہو۔ بس وہی حالت تھی جو تپ لرزہ سے پہلے حالت ہوا کرتی ہے + عجب قسم کا درد تھا۔ کہ ہر ہڈی میں محسوس ہوتا تھا + اس کے بعد مجھے رات بھر نیند نہ آئی۔ میں شیخ حسن کی کتاب پڑھتا رہا۔ اور ارادہ کر لیا۔ کہ خواہ کچھ ہی ہو۔ میں اس سے باز نہیں آؤنگا + دوپہر کو جب میں کھانا کھاکر سویا تو خوب نیند آئی اور طبیعت بالکل صاف ہو گئی +

دوسرا دن بھی میں نے اُسی طرح گزارا۔ اور معمولی وقت پر سو گیا۔ میرے سونے کا کمرہ سب کمروں کے نیچے تھا۔ اور اُس میں صرف ایک ہی کھڑکی تھی۔ جس کا دروازہ بند رہا کرتا تھا۔ اور بھاری بھاری پردے پڑے رہا کرتے تھے۔ کیونکہ مشرقی ملکوں میں صبح کو جو ہوا چلتی ہے۔ وہ بہت مضر ہوتی ہے۔ اور خاص کر سوئے ہوئے آدمی کو بہت نقصان پہنچاتی ہے + تین چار گھنٹے تک تو میں خوب سویا کیا۔ اس کے بعد میری آنکھ کھُل گئی۔ اور میں نے سُنا۔ کہ کوئی میرا نام لے کر پکار رہا ہے + جب میں نے آنکھیں کھولیں۔ تو ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ دفعتہً سامنے کی دیوار پر ایک زرد سی روشنی معلوم ہوئی وہ صاف اور روشن تو تھی۔ مگر چمکدار نہ تھی میں اُس کی طرف غور سے دیکھنے لگا

نہ تو میں سر پھیر سکتا تھا۔ نہ آنکھیں بند کر سکتا تھا۔ ڈر کے مارے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ میں خوف سے ایسا بے طاقت ہو گیا۔ کہ مجھ میں استقلال یا پامردی کا مادہ ہی نہ رہا۔ ہوش تو مجھے تھا۔ اور میرے حواس بھی سلامت تھے۔ مگر طاقت نہیں تھی اور چھاتی پر پہلی رات کی طرح بوجھ تھا۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ تکلیف تھی اور سخت درد محسوس ہو رہا تھا۔ میں نے پھر اپنے دل کو مضبوط کیا۔ اور روشنی کی طرف دیکھتا رہا۔ دفعتہً ایک شکل اس روشنی میں آ کھڑی ہوئی۔ اُس کا چہرہ مجھے اچھی طرح دکھائی نہ دیا۔ صرف یہ معلوم ہوتا تھا۔ کہ کوئی انسان ہے۔ اتنے میں اُس شکل نے آہستہ آہستہ یہ کہنا بھی شروع کیا:۔

"جس بات کے تُو درپے ہے۔ مت کر تجھ کو راز معلوم کرنے کی کوشش نہ کرنی چاہیئے اور اگر تُو ایسا کرے گا۔ تو نقصان اُٹھائے گا"

میں نے بڑی مشکل سے آواز نکالی۔ اور جواب دیا:۔

"مجھے کرنا چاہیئے۔ اور میں ضرور کروں گا۔ نقصان سے میں نہیں ڈرتا۔ جو قسمت میں ہے۔ ہو کر رہے گا"

وہ شکل آہستہ آہستہ میری طرف بڑھی۔ اور میرے پاس آ کر ٹھہر گئی۔ اور جب اُس نے میری طرف ہاتھ بڑھایا۔ تو مجھے سکتہ سا ہو گیا۔ اور میرے بدن میں مسمریزم کے عمل کی سی ایک سنسنی محسوس ہوئی۔ میں نے پکار کر کہا۔ کہ

"خدا تعالیٰ کی مشیّت ہی انسان کی رہنمائی خوب کر سکتی ہے۔ اور میں اپنے آپ کو اُسی کے سپرد کرتا ہوں"

یہ سُنتے ہی وہ شکل فوراً غائب ہو گئی۔ میں جھٹ چارپائی سے اُٹھا لمپ جلایا۔ اور پھر ساری رات جاگتا رہا۔

آخر کار وہ آخری رات آ پہنچی۔ مجھے کامل امید تھی۔ کہ آج آزمایش سخت ہو گی۔

لیکن میں نے مصمم ارادہ کرلیا۔ کہ خواہ کچھ ہی ہو۔ اپنے مطلب سے باز نہ آؤں گا۔ اس لئے تمام دن خوب سویا۔ تاکہ رات بھر جاگتا رہوں۔ سونے کے کمرے میں جاکر میں نے شیخ حسن کی کتاب پڑھنی شروع کر دی۔ آدھی رات کے وقت لمپ خود بخود گُل ہوگیا۔ اور کچھ دیر تک اندھیرا ہوگیا۔ وہی روشنی جو میں نے کل دیکھی تھی۔ دیوار پر ظاہر ہوئی۔ اور اُس میں سے بہت سی شکلیں میری طرف بڑھیں جن کے صرف بُت ہی نظر آتے تھے مگر خط و خال صاف دکھائی نہیں دیتے تھے۔ اُن میں سے ایک نے کہا:۔

"اے انسان آج ہم تیسری بار تجھے منع کرنے آئے ہیں۔ اور یہ آخری موقع ہے جو کچھ تو دریافت کرنا چاہتا ہے۔ اس سے باز آجا۔ تو اُس کام کو کر ہی نہیں سکتا اور نہ تجھے یہ راز معلوم کرنے کی کوشش ہی کرنی چاہئے۔ یہ ایسے بھید ہیں۔ جو تیرے جیسے آدمیوں کو نہیں بتائے جاسکتے۔ تو اُن کی برداشت ہی نہیں کر سکتا۔ تیری ہمت ٹوٹ جائے گی۔"

اس کے بعد وہ ساری شکلیں میرے اردگرد جمع ہوگئیں۔ اور مجھے سانس لینا بھی دوبھر ہوگیا۔ میں نے بہت کوشش کی۔ کہ جواب دوں۔ مگر دیر تک نہ بول سکا۔ آخر سنبھل کر میں نے قرآن کی یہ آیتیں پڑھیں:۔

"علم اُسی علیم و خبیر کی طرف سے ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے۔ دیتا ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے۔ روشنی بخشتا ہے۔ جسے چاہتا ہے۔ اندھا کرتا ہے۔"

یہ سُن کر وہ شکلیں اور وہ روشنی غائب ہوگئی۔ میں نے لمپ جلایا چونکہ آج سخت مقابلہ ہوا تھا۔ اس لئے مجھے معلوم ہوتا تھا۔ کہ میں تھک گیا ہوں مگر اس بات سے بہت مسرت تھی۔ کہ میں آزمائش میں پورا اترا۔ اور مجھے لغزش نہ ہوئی۔ اب شیخ حسن مجھے ضرور اپنے عمل میں شریک کرے گا۔ شام کو میں اُس کے مکان

پڑ گیا۔ وہ میرا انتظار کر رہا تھا۔ میں نے جو کچھ ان تین دنوں میں دیکھا تھا۔ سب کہہ سنایا۔ وہ یہ حال سن کر نہایت خوش ہوا۔ اور کہنے لگا۔ کہ اب میں تمہیں علم روحانی کے متعلق چند باتیں بتاؤں گا۔ تاکہ تم علم حاضرات کے لئے بالکل تیار ہو جاؤ۔

باب چہارم

علم رُوحانی

شیخ حسن کہنے لگا۔ علم رُوحانی وہ علم ہے جس کے ذریعے ہم رُوحانی طاقتوں پر قابو پا سکتے ہیں۔ اور جس آدمی کے قبضے میں یہ علم ہو۔ وہ عالم غیر مرئی کے اسرار کو سمجھ سکتا ہے۔ اور روحوں سے گفتگو کر سکتا ہے۔ وہ روحیں زندہ ہیں۔ اور شکل صورت رکھتی ہیں۔ وہ مردہ انسانوں کی روحوں سے بالکل مختلف ہیں۔ ان میں بعض نیک ہیں اور بعض بد ہیں۔

یہ رُوحانی طاقت مدت سے چلی آتی ہے۔ اور حضرت نوح علیہ السلام کے وقت سے بھی پہلے کی ہے۔ مگر یہ علم ہر زمانے میں صرف چند اشخاص کے پاس رہا ہے۔ کیونکہ جادو یا شعبدہ بازی سے علم رُوحانی کو کوئی تعلق نہیں۔ یہ سب جھوٹی اور بے اصل باتیں ہیں۔ علم رُوحانی ہر شخص کے بس کا نہیں ہے۔ بعض اشخاص دعوے کرتے ہیں۔ کہ یہ علم ہمارے قبضے میں ہے۔ ہم بیماروں کو اچھا کر سکتے ہیں۔ پوشیدہ خزانے دریافت کر سکتے ہیں۔ مُردوں سے ملاقات کرا سکتے ہیں۔ لیکن اُن لوگوں کی یہ سب باتیں جھوٹی اور لغو ہیں۔ اور صرف وہی جاہلوں کو دھوکا دینے کے لئے ہیں۔

علم رُوحانی کے مدارج مقررہ دو ہیں۔ اول علوی یا آسمانی۔ دوم سفلی۔ یا دنیاوی۔

علم علوی کے ذریعہ سے انسان فرشتوں اور اُن پاک روحوں سے رابطہ پیدا کر سکتا ہے جو مردہ اور زندہ انسانوں کی حفاظت کرتی ہیں + ان فرشتوں میں سے جو سب کا سردار ہے۔ اُس کا نام ابدائیل علیہ السلام ہے +

علم سفلی سے وہ طاقت حاصل ہوتی ہے جس سے آدمی اَن پڑھ روحوں سے رابطہ پیدا کر سکتا ہے۔ اور ان بدروحوں پر بھی حکومت کر سکتا ہے جو نافرمانی کر کے فرشتوں سے الگ ہو گئیں۔ اور اب ابلیس کے ماتحت ہیں۔ وہ اس سُرور جاودانی کے مقام میں سے نکال دی گئی ہیں۔ اور اب انہوں نے دنیا کو اپنی جولان گاہ بنایا ہے +

اُن رُوحوں نے اپنے سردار کے علم کے ذریعہ انسان اور زمین پر کچھ تھوڑا بہت قابو پالیا ہے + ان بُری رُوحوں کا معاملہ خدا کے ساتھ ہے + انہیں ان اسرار پر اطلاع ہے جنہیں روحانیات کے عالم معلوم کرنا چاہتے ہیں + اس علم کا مدعا یہ ہے کہ اس کے عامل کو پوشیدہ رُوحانی زندگی کا حال معلوم ہو جائے۔ اور اس دنیا کے ظہور میں آنے سے پہلے جو واقعات گزشتہ زمانے میں ہوئے ہیں۔ وہ اُس پر منکشف ہو جائیں۔ اور یہ بھی معلوم ہو جائے۔ کہ جب یہ دنیا ہو چکے گی۔ تو انجام کیا ہو گا + اس کا بڑا مقصد یہ ہے۔ کہ رُوح کی تعلیم اور اُس کا تزکیہ جسم ہی میں شروع ہو جائے۔ اور یہ باتیں معلوم ہوں۔ کہ روح کی زندگی جسم کے ساتھ کس طرح کی ہوتی ہے۔ اور جسم کو چھوڑ دینے یعنی موت طاری ہونے کے بعد کس طرح کی ہو گی۔ اور پھر جب یہ روح جسم میں آئے گی۔ تو اس لافانی زندگی کی کیا کیفیت ہو گی + اس علم سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ رُوح زندہ رہتی ہے اور ترقی پذیر ہوتی ہے۔ اور اس پر مکان و زمان کے تغیرات کچھ اثر نہیں کرتے +

بس یہی وہ علم ہے جس کے پڑھتے ہی اور اُس میں ترقی کرتے ہی آنکھوں کے پردے

اُٹھ جاتے ہیں۔ اور ماضی و مستقبل کے تمام حالات آئینہ ہو جاتے ہیں۔ جن راندۂ درگاہ فرشتوں کا میں نے ذکر کیا ہے۔ اُن میں بعض کو آسمانی فرشتوں کی طرح کچھ نہ کچھ حالات تو معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن ان میں سے کسی کو یہ اجازت نہیں کہ سوائے اُن لوگوں کے جو اس علم کے لئے موزوں ہوں۔ یا جنہوں نے سخت ریاضتیں کر کے بد رُوحوں کے حملوں پر فتح حاصل کی ہو۔ اَور کسی انسان پر ظاہر کریں۔

چونکہ اس علم کا کچھ حصّہ اُن مردہ روحوں سے بھی حاصل کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے اس علم کو سفلی یا دنیاوی کہتے ہیں۔ یہ روحیں دنیا کو اپنی ملکیّت خیال کرتی ہیں۔ اور چاہتی ہیں۔ کہ ساری نوعِ انسانی و حیوانی کو اپنا ہی مطیع و منقاد بنائے رکھیں۔ اور ان سے روحانی دنیا کی ارفع و پُر اسرار زندگی کے حالات کو مخفی رکھیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ جب کوئی شخص اس علم کے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ روحیں اُسے روکتی ہیں۔ کہ مبادا یہ شخص علم روحانی کا عالم و عامل ہو کر ہم پر قابو پا لے اور اقتدار جما لے۔ یہ رُوحیں ہر وقت اس امر سے خائف رہتی ہیں۔ کہ مبادا اس علم کے پھیل جانے پر ہمارا نفوذ و اقتدار بنی نوعِ انسان پر کم ہو جائے۔ اور رفتہ رفتہ بالکل جاتا رہے۔

اس علم کے چند اسرار زمانۂ قدیم کے پیغمبروں اور علماء کو بتائے گئے تھے۔ مگر ان میں سے کسی کو یہ اجازت نہ تھی۔ کہ کوئی بھید کسی اَور کو بھی بتا سکیں۔ اگرچہ یہ علم بہت قیمتی اور اہم تھا۔ مگر صرف شخصی و انفرادی طور پر انہی کے لئے تھا۔ اور وہ اسے خاص اپنے فائدے کے لئے استعمال میں لا سکتے تھے۔

صرف ایک ایسا شخص گزرا ہے جسے اجازت تھی۔ کہ یہ خفیہ راز دوسروں پر ظاہر کر سکے۔ اور یہ بھی اس لئے کہ اسے انسانوں اور جنّوں دونو پر غیر معمولی قدرت حاصل ہو گئی تھی۔ یہ شخص حضرت سلیمان علیہ السلام تھے۔ جو بادشاہ اور پیغمبر دونو

حیثیتوں کے جامع تھے + اگرچہ حضرت سلیمان کو جنّات پر بے انتہا قابو تھا۔ مگر اُنہیں بھی یہ اجازت نہ تھی۔ کہ زبانی کسی کو کچھ بتا سکیں۔ بلکہ لکھ کر دو کتابیں چھوڑ گئے + اِن کتابوں میں زمانہ گذشتہ و آئندہ کے حالات درج ہیں۔ اور یہ اس لئے لکھی گئی ہیں۔ کہ بڑے بڑے علماء کے قبضے میں رہیں۔ اور وہ انہیں اپنے شاگردوں کو پڑھائیں + آپ دوسری کتاب مکمل کرنے نہ پائے تھے۔ کہ اُن کا انتقال ہو گیا + ابھی وہ بسترِ مرگ پر ہی پڑے تھے۔ اور اُن کے شاگرد اُن کے گرد حلقہ باندھے کھڑے تھے۔ کہ ایک جن ان دونو کتابوں کو اُٹھا کر لے گیا۔ اور اب وہ نہایت حفاظت اور سخت نگرانی سے رکھی ہوئی ہیں۔ کہ کسی انسان پر اُن کا حال نہ کھُل جائے + عامل جنّات کا سب سے بڑا مقصد یہ معلوم کرنا ہوتا ہے۔ کہ ان کتابوں میں کیا لکھا ہے + یہ مجھے معلوم نہیں۔ کہ اس کام میں کس قدر لوگ کامیاب ہوئے ہیں۔ کیونکہ جو شخص کچھ معلوم کر لیتا ہے۔ وہ بقول شخصے کاں را کہ خبر شد خبرش باز نیامد۔ دوسروں کو کچھ نہیں بتا سکتا + اب میرا مدعا بھی یہی ہے۔ کہ اِن کتابوں کا لکھا ہوا حال معلوم کروں۔ اور جب مجھے ان سفلی روحوں یعنی جنّوں کے ذریعے ان کتابوں کا علم حاصل ہو جائے گا۔ تو پھر مجھے وہ اعلےٰ و مستتر علم یعنی علم علوی حاصل کرنے میں کچھ مشکلات نہیں ہوں گی +

میں نے شیخ حسن کی گفتگو کو بہت غور سے سُنا۔ اور پھر اُن سے دریافت کیا:۔

"کیا یہ علم ایک شخص دوسرے شخص کو سکھا سکتا ہے"؟

شیخ:۔ نہیں۔ اس علم کو صرف وہی شخص سیکھ سکتا ہے۔ جو اپنی زندگی اس کی تلاش و تجسس کے لئے وقف کر دے۔ یا جسے خدا ہی کی طرف سے اس کی استعداد ودیعت کی گئی ہو + جو شخص اس علم کو حاصل کرنے کا جبلّی ملکہ رکھتا ہو۔ اُسے چاہئے کہ دل و جان سے اس میں مشغول ہو جائے + سالہا سال ورد وظائف میں مشغول رہے صبر

سے انتظار کرے۔ فاقے پر فاقے کاٹے۔ اپنی ہستی کو بالکل فراموش کر دے۔ دُنیاوی خواہشوں کو بالکل ترک کر دے۔ اور ہمیشہ اُس قادرِ مطلق کی طاقت پر نظر رکھے۔ اُس کی ساری ہستی اسی خواہش میں محو ہو۔ اور وہ اپنے تئیں سراسر امید و آرزو میں ہر وقت مستغرق رکھے۔ ایک دن یا ایک ہفتہ یا ایک مہینہ نہیں۔ بلکہ سالہاسال تک رات دن اسی شوق اور تڑپ میں رہے۔ ہر وقت اُس کے سینے میں عشقِ الٰہی کے شعلے بھڑکتے ہیں۔ پھر بھی اگر قسمت یاور ہو گئی تو اُسے وہ اسم اعظم لکھا دیا جائے گا جس سے وہ روحانی طاقت حاصل ہوتی ہے اسم اعظم کی کوئی آواز نہ سُنائی دے گی۔ مگر اُس کے حروف رُوح پر کندہ ہو جائیں گے۔ اور اُس میں قوت برقی کی طرح روحانی طاقت کی رَو آ جائے گی ✦

دنیاوی رُوحیں یعنی جنات گیارہ گروہوں میں منقسم ہیں۔ ہر ایک گروہ کا الگ الگ سردار ہے۔ چھوٹی قسم کے جنات کے نو گروہ ہیں۔ دسویں اور گیارھویں جماعتیں بہت بڑے بڑے جنات کی ہیں۔ دسویں قسم کا سردار مرّیخ اور گیارھویں قسم کا شہنیوریش ہے۔ مریخ کے قبضے میں زمانۂ گذشتہ کی پوشیدہ باتوں کی کتاب ہے۔ اور شہنیوریش کے پاس زمانہ آیندہ کے عجائبات کی۔ یہ دو نوجن حضرت سلیمان کی ان دو کتابوں کے محافظ ہیں جن میں زمانۂ گزشتہ و آیندہ کے حالات و اسرار مندرج ہیں ✦

اس سے پیشتر کہ آدمی مرّیخ اور شہنیوریش تک پہنچے۔ یہ ضروری ہے۔ کہ چھوٹے درجے کے گروہوں سے شروع کرے۔ اور پھر بتدریج آگے بڑھے۔ اور آخر دسویں گیارھویں تک پہنچ کر اُن دونو سے ملاقات کرے۔ مرّیخ اور شہنیوریش سب سے بڑے مردُود فرشتے ہیں۔ ان کا بڑا سردار اب کبھی ظاہر نہیں ہوتا۔ اگرچہ زمانہ سلف کے انبیاء کو نظر آتا رہا ہے ✦

چونکہ یہ رُوحیں تاریکی کی مالک ہیں۔ اور انسانوں کو ڈرانا ان کا مقصد ہے اِس لئے رات کے وقت ظاہر ہونا پسند کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں مجبوراً رات کے وقت اپنی کارروائی کرنی پڑتی ہے۔ اور حاضرات کے لئے جگہ بھی ایسی تجویز کی جاتی ہے جو انسانی آبادی سے دُور ہو۔ کیونکہ جہاں ذرا شُور وغل کی آواز آئی۔ وہیں یہ جلسہ درہم برہم ہوا۔ اور جن غائب غلّہ +

میں اِس غرض سے اس قصبے میں فروکش ہوں۔ کہ یہاں سے تین یا چار میل کے فاصلے پر "تل قصر سلیمان" یعنی حضرت سلیمان کے محل کے کھنڈر ہیں۔ اور میرا ذاتی خیال ہے۔ کہ غالباً وہ کتابیں ان ہی کھنڈرات میں ہیں + میں چھوٹے درجے کے جنّات سے تو بارہا مل چکا ہوں۔ مگر مریخ و شہنید ریشں سے میری ملاقات اب تک نہیں ہوئی + جب میں اِن دونو پر قابو پالوں گا تو پھر اُن کتابوں کو دیکھ سکوں گا + اب تم اگر میرے ساتھ رہ کر ان روحوں کو دیکھنا چاہتے ہو۔ تو یہ ضروری ہے۔ کہ اپنی طبیعت پر قابو رکھو۔ تم کو وہ جنّات صرف نظر ہی آسکیں گے۔ میری اُن کی بات چیت تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی +

اب تم دیکھنا کہ یہ جن ہمارے کام میں حرج ڈالنے اور ہمارے جلسے کو درہم برہم کرنے کی کتنی کوشش کرتے ہیں + اپنے اِس مقصد کے لئے وہ عجیب عجیب شکلیں اختیار کریں گے۔ کبھی مہیب و خوفناک دیو۔ اور کبھی نہایت متبرّک و پارسا فرشتے بن کر آئیں گے۔ کبھی عزیز دوست یا رشتہ دار کی صورت میں اور کبھی ضعیف و ناتوان والدین یا پیارے معصوم بچے کی شکل میں آکر اور اپنی دردناک حالت بنا کر مدد مانگیں گے۔ یا کوئی خوشی کا منظر دکھائیں گے۔ اور اس میں تمہیں شریک ہونے کی ترغیب دیں گے۔ اور یہ سب اس لئے ہو گا۔ کہ ہم کچھ نہ کچھ مُنہ سے بول اُٹھیں۔ اور ہمارا سارا کیا کرایا خاک میں مل جائے +

یہی وجوہ ہیں کہ اس کام میں استقلال و ثابت قدمی کی حد سے زیادہ ضرورت ہے۔ تمہیں چاہیئے کہ اُس وقت بالکل میری طرح ساری دنیا و مافیہا کو فراموش کر دو۔ اور گھر بار۔ دولت۔ روپیہ۔ عورت بچے غرض ہر ایک چیز اور ہر ایک شخص کو بھلا دو۔ ڈر۔ خوف۔ وحشت کو پاس نہ پھٹکنے دو + اب جتنے دن حاضرات کی تاریخ میں باقی ہیں۔ اُن میں تم اپنی قوت ارادی کو بڑھاؤ۔ میں تمہیں پھر تاکید کرتا ہوں۔ کہ جب تک تم اپنے آپ کو اس آزمایش میں کامیاب ہونے کے لائق نہ سمجھ لو میرے ساتھ جانے کا قصد ہرگز نہ کرنا۔ کیونکہ اگر تم اس حالت میں گئے تو میرے کام میں خلل واقع ہوگا۔ اور تم بھی پچھتاؤ گے اور نقصان اُٹھاؤ گے +

ان سب باتوں کے بعد میں نے شیخ سے کہا۔ کہ میرا ایک سوال باقی ہے۔ وہ یہ کہ "کیا مردہ آدمیوں کی روحیں بُلائی جاسکتی ہیں۔ اور وہ زمین پر اپنے عزیزوں اور دوستوں سے مل سکتی ہیں" ؟

شیخ :- اب تو یہ نہیں ہو سکتا۔ ہاں۔ اگلے زمانے میں نبیوں نے مُردے زندہ کئے ہیں۔ اور مُردوں کی رُوحیں بھی بُلائی ہیں + مگر ایسا خاص خاص حالتوں میں ہوا ہے۔ اور اب بالکل نہیں ہو سکتا + مُردوں کی رُوحیں اس دنیا کے تمام تعلقات سے بری ہو جاتی ہیں۔ اور اُن کی تربیت اعلےٰ زندگی کے لئے شروع ہو جاتی ہے + جو لوگ دنیا میں پاکیزہ زندگی بسر کر گئے ہیں۔ اور انہیں مغفرت کی نعمت نصیب ہو چکی ہے۔ اُن کو اس لئے تیار کیا جاتا ہے۔ کہ وہ اور بھی قریب سے جمال خداوندی کے نظارے سے مسرور و محظوظ ہوں۔ اور ایک پاک بے لوث۔ روشن اور لافانی زندگی کی خوشیاں حاصل کرنی شروع کریں۔ اور اُن کے اجسام رُوحانیت کے سانچے میں ڈھل جائیں۔ اور دنیا دی اعزہ و احباب سے پاک اور جاودانی تعلق رکھنے کے قابل ہو جائیں +

یہ وہ خوشیاں ہیں جو رُوح کو تازہ کریں گی۔ اور اُنہیں خوشیوں کا ذکر ہمارے رسُول مقبولؐ نے فرمایا ہے + لیکن چونکہ جاہلوں اور کم علم آدمیوں کو سمجھانا تھا۔ اِس لئے اُنہوں نے استعارات کے رنگ میں بہشت کا حال بیان فرمایا کیونکہ انسان کے لئے اور خصوصًا عرب جیسے گرم اور ویران ریگستان میں خوبصورت باغ۔ درخت۔ پھُول اور ٹھنڈے پانی کی نہریں نعمت عظمےٰ خیال کیجاتی ہیں +

اس کے بعد شیخ نے کہا۔ کہ میں اِن کھنڈروں میں عمل حاضرات کر لینے سے پہلے گھر سے باہر نہ نکلوں گا۔ اور کسی سے نہ ملوں گا۔ مگر تم خواہ کسی وقت آؤ۔ خوشی سے ملنے کو تیار ہوں +

اس عرصے میں شیخ کے پاس اکثر آتا جاتا رہا + ایک دن میں نے شیخ سے پوچھا۔ کہ حضرت" آپ اِس قدر غمگین کیوں رہتے ہیں۔ کیا میں آپ کی کسی خدمت کے قابل متصوّر نہیں ہو سکتا؟ اگر میں کسی بڑی امداد کے قابل نہیں ہوں۔ تو اپنا حال ہی بیان فرمائیے۔ شاید کسی حد تک آپ کے غم والم کے دُور کرنے میں مدد دے سکوں +

شیخ:۔ "تم اِس غم کا حال سُن کر کیا لو گے۔ یہ میری زندگی کا عجیب قصہ ہے۔ اور تمہیں سُنانا بالکل بے سُود ہے +

میں نے نہ مانا۔ اور اصرار کئے گیا۔ آخر شیخ حسن نے اپنا حال اسطرح کہنا شروع کیا +

باب پنجم

رشیدہ

میں افریقہ کے ملک ٹیونس کے قصبہ ولیدہ میں جو قیروان شریف سے تھوڑے

ہی فاصلے پر ہے پیدا ہوا تھا۔ ماں باپ کا اکلوتا بیٹا لاڈ پیار کی کوئی انتہا نہ تھی۔ خاص کر اماں تو مجھ پر جان چھڑکتی تھیں۔ شہر کی مسجد کے متعلق جو مدرسہ تھا میرے والد اُس کے مدرّس تھے۔ وہ بڑے فاضل مولوی تھے۔ کیونکہ انہوں نے بڑے بڑے اسلامی دارالعلوموں میں تعلیم پائی تھی خصوصاً جامع مسجد ازہر میں جو قاہرہ (مصر) کا سب سے بڑا دارالعلوم ہے۔ اُنہوں نے ایک کتاب دینیات کی شرح لکھی تھی۔ اس شرح کی اس قدر دھوم مچی۔ کہ جامع ازہر کے علما و فضلا نے اُن سے درخواست کی۔ کہ وہ اس دارالعلوم میں مدرسی منظور کر لیں۔ مگر میرے والد نے جواب دیا۔ کہ "میں دنیا کی عزّت و دولت ہرگز نہیں چاہتا۔ میں اپنے وطن ولید میں جانا اور وہیں کے مدرسے میں تعلیم دینا پسند کرتا ہوں"۔

ہمارا مکان شہر کے باہر واقع تھا۔ اور اُس کے اردگرد چھوٹا سا باغ بھی تھا۔ میرے والد کو باغ لگانے کا بہت شوق تھا۔ کیونکہ یہی ایک اُن کی تفریح کا ذریعہ تھا۔ میرے والد نہایت متقی اور شرع کے پابند تھے۔ یہاں تک کہ حقّہ بھی نہ پیتے۔ اور قہوے تک کو نہ چھوتے تھے۔ تمام فرائض دینی باقاعدہ ادا کرتے تھے۔ اُن کی بڑی آرزو یہ تھی کہ مجھے اعلیٰ تعلیم دلائیں۔ اس میں اُن کا منشا یہ تھا۔ کہ جس طرح وہ اپنے والد کی جگہ مقرر ہوئے تھے۔ اُسی طرح اُن کے بعد میں اپنے قصبے کے مدرسے کا مدرّس مقرر ہو جاؤں۔ اُن کے مزاج میں نرمی حد سے زیادہ تھی۔ اسی لئے میں اُن سے بہت خوشی سے پڑھتا اور دل و جان سے مطالعہ میں مشغول رہتا۔

جمعہ کے سوا وہ ہر روز دوپہر تک مدرسے میں درس دیا کرتے تھے۔ اور اُس کے بعد مجھے پڑھایا کرتے تھے۔ جب میں سترہ سال کا ہوا تو اُن کے مدرسے کے سبق سمجھنے کے قابل ہو گیا۔ انہیں علم احادیث میں بڑا ملکہ تھا۔ اُنہوں نے یہ معمول کر لیا۔ کہ جب باغ میں کام کرتے۔ تو ایک حدیث ہر روز مجھے سُنا دیتے۔ یہاں تک کہ میرا علم اس

موضوع پر بہت جلد وسیع ہوتا چلا گیا + جب میری عمر اٹھارہ سال کی ہوئی۔ تو میری والدہ نے حسب رواج ملک مجھ سے کہا۔ کہ شادی کر لو۔ مگر میں نہ چاہتا تھا۔ اور والد نے مجھے اس بات کی ترغیب دی۔ کہ میں شادی نہ کروں۔ کیونکہ اُن کا خیال تھا کہ اس طرح میری تعلیم اچھی ہو گی۔ اور دو تین سال تک اور پڑھ سکوں گا۔ لیکن شادی ہونے کی حالت میں خانہ داری کے دھندوں میں پڑ جاؤں گا + میرے والد کچھ ایسے امیر آدمی نہ تھے۔ مدرسے سے صرف اُنہیں تھوڑی سی تنخواہ ملتی تھی۔ اور شہر میں کچھ جائداد تھی۔ اگرچہ یہ آمدنی ہماری سادہ ضروریات کے لئے کافی ہوتی تھی۔ مگر یہ ممکن نہ تھا۔ کہ میرے والد اُس میں سے کچھ بچا سکتے + میری والدہ امیر گھرانے سے تھیں۔ اُن کے دو بھائی تھے۔ بڑے تو ٹیونس میں سوداگری کرتے تھے۔ اور دوسرے اپنی جاگیر پر رہتے تھے۔ وہ جاگیر ہمارے مکان سے چار پانچ میل کے فاصلہ پر ہی تھی +

میرے ماموں یوسف جو ٹیونس میں رہتے تھے۔ مجھے اُن کا حال بہت کم معلوم تھا کیونکہ میں عمر بھر میں صرف ایک دفعہ اُن کے گھر گیا تھا۔ اور وہ بھی ایک دو دن کے لئے وہ ہمارے ہاں کئی سالوں سے نہیں آئے تھے۔ کیونکہ اُن کا کام بہت وسیع تھا۔ اور اُنہیں فرصت نہیں ملتی تھی +

میرے دوسرے ماموں جن کا نام عمر تھا مجھ سے اکثر ملا کرتے تھے + ان کے دو بیٹے تھے۔ ایک کا نام مصطفےٰ اور دوسرے کا نام علی + مصطفےٰ تو مجھ سے بڑا تھا۔ مگر علی میرا ہم عمر تھا + اُن کی تعلیم بہت کم ہوئی تھی۔ اس لئے وہ اپنی کمی پوری کرنے کے لئے روز ہمارے مکان پر آیا کرتے تھے + میرے والد اُنہیں بعد دوپہر ایک گھنٹہ پڑھاتے تھے۔ اور میں بھی ان دونو کو مدد دیا کرتا تھا + مصطفےٰ سے مجھے بہت محبت تھی۔ کیونکہ وہ نہایت خلیق تھا۔ میری اور اُس کی دوستی اس قدر بڑھی۔ کہ میں اُس کے ساتھ سگے بھائیوں سے بھی بڑھ کر محبت کرتا تھا + وہ شوق سے پڑھتا۔ سخت محنت کرتا

مگر چونکہ فطرتاً سُست تھا۔ اس لئے بہت کم ترقی کرتا تھا+ اس کے برعکس اُس کا بھائی علی بہت ہوشیار تھا۔ اور جب فرصت پاتا بغیر محنت کے سبق یاد کرلیتا+ ذہن اچھا تھا۔ نفس مضمون پر بہت جلد حاوی ہوجاتا تھا۔ اس لئے سبق پڑھتے ہی اُس کے دل پر نقش ہوجاتا تھا+ وہ کہا کرتا تھا۔ کہ مجھے پڑھنے کی کچھ پروا نہیں+ اسے کتابوں سے نفرت تھی۔ اور وہ بازاروں میں پھرنے اور دکانوں پر بیٹھے رہنے میں وقت صرف کرتا تھا+ وہ کہا کرتا تھا۔ کہ میں مدرس بننے کے لئے پیدا نہیں ہوا۔ میں کاروباری آدمی ہوں۔ اور ایک بازار سے دوسرے میں پھرنا میرا کام ہے+

میری اُس کی کبھی نہ بنتی تھی۔ اور گو ہم دو تو ہر روز آپس میں ملتے تھے۔ لیکن خاموش رہتے تھے۔ کیونکہ ہمارے مذاق مختلف واقع ہوئے تھے+ ہماری آپس میں دشمنی تو تھی نہیں لیکن سچ پوچھو۔ تو میں اُس سے نفرت ضرور کرتا تھا+ یہ عجیب قسم کی نفرت بعض آدمیوں یا چیزوں کے ساتھ انسان میں خودبخود پیدا ہوجاتی ہے۔ اور باوجود کوشش کرنے کے دُور نہیں ہوتی۔ مصطفےٰ نے اپنے چھوٹے بھائی کی بدمذاقی کی ساری کمی پوری کردی تھی۔ اور میں اُس کے ساتھ بہت خوش رہا کرتا تھا+

جب میری عمر اُنیس سال کی ہوئی۔ ہمارے شہر میں ایک نیا قاضی مقرر ہوکر آیا۔ وہ طرابلس کا باشندہ تھا۔ مگر چند سال سے ٹیونس میں رہتا تھا+ اُس کی صرف ایک لڑکی تھی۔ اور ملک کی رسم کے خلاف وہ اُسے پڑھاتا تھا۔ اور چونکہ چھوٹی عمر ہی سے لڑکی نے پڑھنے کا شوق ظاہر کیا تھا۔ اس لئے اُس کا ارادہ اَور بھی مصمم ہوگیا۔ اور جوں جوں وہ بڑی ہوتی گئی۔ اُس کا شوق روز افزوں ترقی پاتا گیا+

قاضی نے یہ چاہا۔ کہ میرے والد اس لڑکی کو پڑھایا کریں۔ اور خصوصاً قرآن مجید۔ صرف و نحو عربی اور علم ادب میں خاص کوشش کریں+ میرے والد کا سارا وقت چونکہ رُکا ہوا تھا۔ اس لئے اُنہوں نے تجویز کی۔ کہ میں قاضی کی لڑکی کو پڑھایا کروں+ والد صاحب کو

یہ بھی خیال آیا۔ کہ اُن سے وہ حجاب کی وجہ سے بھی اچھی طرح نہ پڑھ سکے گی۔ اور شاید اپنے ہم عمر سے نہ شرمائے گی +

پہلے پہل تو مجھے اس کام کا ملنا نہایت ناگوار ہوا۔ کیونکہ میں اُن دنوں اپنے والد کا نائب مدرس ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ اور مجھے خیال تھا۔ کہ جلد یہ اسامی مجھے مل جائے گی۔ اس لئے میرے علم اور مرتبے کے لئے یہ شایاں نہیں ہے۔ کہ میں اس لڑکی کو پڑھاؤں۔ مگر چونکہ میرے والد کی یہی خواہش تھی۔ اس لئے میں اُن کے حکم کی تعمیل سے انکار نہ کر سکا۔ اور فوراً پڑھانا شروع کر دیا +

اس لڑکی کا نام رشیدہ تھا۔ جب وہ پہلے پہل ہمارے گھر آئی تو اُس کی عمر بارہ سال کی تھی۔ اُس نے شکل صورت نہایت حسین پائی تھی۔ وہ میرے مدرسے سے آنے سے ایک گھنٹہ پہلے ہمارے گھر آتی۔ اور تیسرے پہر تک یہیں رہتی۔ شام کے وقت اُس کا باپ ایک نوکر بھیجدیتا۔ اور وہ اُسے لے جاتا + وہ معمولی لکھ پڑھ سکتی تھی۔ اور اب مجھے اُس کو اعلےٰ درجے کی تعلیم دینی تھی +

تھوڑے ہی عرصے میں میں اپنی حسین شاگرد کو بہت شوق سے پڑھانے لگا۔ وہ خود بھی بہت شوق و ذہانت سے پڑھتی اور نہایت محنت کرتی تھی + وہ ہمیشہ پڑھنے کے لئے تیار رہتی تھی۔ اس کا حافظہ نہایت تیز تھا + مجھے یقین ہو گیا۔ کہ تھوڑے ہی عرصے میں میری شاگرد خاصی لیاقت پیدا کرلے گی۔ اور مجھے شرمندہ نہ ہونا پڑے گا +

تین سال گزر گئے۔ اور رشیدہ لڑکپن کی منزل طے کر کے شباب کی دل فریب وادیوں میں داخل ہوئی + اُس کے اطوار و عادات سے ثابت ہوتا تھا۔ کہ اُس کی تربیت نہایت احتیاط سے کی گئی ہے۔ میرے دونو بھائی اکثر بعد دوپہر سبق میں شامل ہوتے تھے۔ مصطفےٰ تو سبق کو نہایت غور سے سُنتا اور کچھ سیکھنا چاہتا تھا۔ لیکن علی میرے خیال میں صرف رشیدہ کو گھورنے آیا کرتا تھا + وہ رشیدہ کی بہت عزت

وتوقیر کرتا۔ اور اکثر اُس کے لئے گلدستے بنا بنا کر لاتا۔ اور کہتا کہ میں نے گھر میں پھولوں کے درخت صرف تمہارے ہی لئے لگائے ہیں + گلدستہ پیش کرنے سے پہلے وہ کچھ نہ کچھ باتیں ضرور بناتا تھا۔ جن سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ رشیدہ کے حسن نے اُس کے دل پر سکہ بٹھا لیا ہے۔ اور اب وہ اس پر ڈورے ڈال رہا ہے + جہاں تک میرا قیاس ہے۔ رشیدہ نے کبھی اُسے کچھ جرأت نہیں دلائی + میرے ساتھ وہ ہمیشہ بہت بیگانگی سے پیش آتا۔ اور خیال کرتا۔ کہ میں اس کا سدِ راہ ہوں۔ مگر اُس نے کبھی مجھ سے اس معاملے کی نسبت رُو در رُو ہو کر کچھ نہیں کہا +

جب رشیدہ پندرہ سال کی ہوگئی۔ تو ایک دن اُس نے مجھ سے کہا۔ کہ "میرے والد نے کہا ہے۔ کہ آیندہ میں یہاں نہ آؤں۔ کیونکہ اب میں بڑی ہوگئی ہوں اور مردوں کے سامنے بے پردہ بیٹھنا جائز نہیں + اس ہفتے کے ختم ہونے کے بعد میں پھر اس مکان میں نہ آؤں گی۔ اور گھر پر پردے کے پیچھے بیٹھ کر پڑھا کروں گی +

یہ سُن کر مجھے بہت رنج ہوا۔ لیکن بعد میں خیال آیا۔ کہ ہمارے مذہب اور رسم و رواج کے یہی قوانین ہیں۔ کہ عورتیں سوائے قریبی عزیزوں کے کسی کے سامنے بے حجاب نہ ہوں۔ تو ہم اس میں کیا کر سکتے ہیں +

ان دنوں میں رشیدہ نے علم کے ہر شعبے میں نمایاں ترقی کر لی تھی۔ اس کے دلکش و سادہ انداز نہایت باسلیقہ تھے۔ اور اُنہوں نے میرے دل پر بہت اثر کیا + اب وہ خاصی جوان تھی (کیونکہ مشرق میں لڑکیاں تیرہ سال کی عمر میں ہی جوان ہو جاتی ہیں) اس کے خط و خال نہایت موزوں اور اُس کی شکل و صورت بلا کی دلفریب تھی + میں اُسے دل سے چاہنے لگا۔ رفتہ رفتہ یہ محبت بڑھ کر عشق کے درجے تک پہنچ گئی + میں نے بہت کوشش کی کہ میں اسے بھول جاؤں۔ اُس کی محبت کو فراموش کر دوں۔ مگر میری سب کوششیں ناکام اور میری سب مساعی بے سُود نکلیں +

اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ میں رشیدہ کا دلدادہ تھا۔ مگر یہ تو میرے وہم وگمان میں بھی نہ آسکتا تھا۔ کہ وہ کسی دن میری بیوی بنے گی۔ اس کا باپ بہت دولتمند و بااقتدار شخص تھا۔ وہ بھلا مجھ سے غریب آدمی کو دامادی میں کیونکر قبول کرتا۔ اور سچ پوچھو۔ تو نہ میں اور نہ والد صاحب اس قابل تھے۔ کہ اس لڑکی کی شان کے لائق شادی کا اہتمام بھی کر سکیں۔ دولت کی تو مجھے چنداں خواہش نہ تھی۔ مگر میری یہ آرزو ضرور تھی۔ کہ باپ کی جگہ مدرس ہو جاؤں۔ اور اس سے بڑھکر یہ خواہش تھی۔ کہ جسطرح نہایت عزت و آبرو کے ساتھ وہ اُسے نباہتے رہے ہیں میں بھی اسی طرح اپنے فرائض کو انجام دوں۔

ہفتہ ختم ہونے پر جو آخری سبق میں نے رشیدہ کو پڑھایا۔ وہ نہایت دردناک تھا۔ میں ہی ملول وغمزدہ نہ تھا۔ بلکہ رشیدہ بھی افسردہ تھی۔ میری تو زبان تک بند ہو گئی۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ گلے میں کچھ اٹکا ہوا ہے۔ رشیدہ بہت غمگین نظر آتی۔ اور اکثر آنکھوں میں آنسو بھر لاتی تھی۔ دائمی مفارقت کے خیال نہایت تکلیف دہ تھے۔ یہ ممکن تھا۔ کہ مجھ سے پڑھائی جاری رکھنے کے لئے کہا جائے لیکن وہ کوئی اور صورت ہوتی جس میں میں اُسے دیکھ نہ سکتا۔

اس آخری سبق میں میرے دونو بھائی مصطفٰے اور علی نہیں آئے تھے۔ اس لئے مجھے دردِ دل کے اظہار کا موقعہ ہاتھ آیا۔ میں نے اپنے دل کی تکلیفیں اور سوز و محبت کے جذبات ایسے جوش و اضطراب اور ایسے وفور شوق میں بیان کئے جسے اہل عشق ہی خوب سمجھ سکتے ہیں۔ اور جس کا مقابل کے دل پر شرر انگیز انعکاس ہوتا ہے۔

میں نے رشیدہ سے یہ بھی کہا کہ تمہارے والد دولتمند ہیں۔ اس لئے بہت سی رکاوٹیں میرے راستے میں حائل ہوں گی۔ اور تمہارے والد مجھ سے شادی کے بہت شاندار اہتمام اور شاہانہ جہیز کے متوقع ہوں گے۔ لیکن میں تمہاری مدد سے تمام مشکلات پر غالب آسکتا ہوں۔

رشیدہ ان تمام باتوں کو چپ چاپ سنتی رہی۔ اور اس کے چہرے کا رنگ بدلنے اور شرمیلی نظروں سے مجھے صاف معلوم ہوگیا کہ ع

دونو طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی

ہماری محبت ایسی تھی جیسا کہ ایک شاعر نے کہا ہے کہ :۔

"اعلیٰ۔ پاکیزہ۔ زندہ اور بڑھنے والی محبت دو دلوں میں اس طرح پرورش پاتی ہے۔ جس طرح ایک خوش نما درخت دو ندیوں کے درمیان اُگا ہوا ہو۔ اور اُس کی جڑیں دونوں ندیوں کی تہ تک پہنچی ہوئی ہوں"۔

آخر رشیدہ نے سر جھکا کر بہت شرمیلے انداز سے کہا۔ کہ میں بھی تم سے محبت رکھتی اور بخوشی تم سے شادی کرنے کو تیار ہوں مگر تم میرے والد سے دریافت کرو۔ اور جب وہ مجھ سے پوچھیں گے۔ تو تمہیں معلوم ہی ہے۔ کہ میں کیا جواب دوں گی۔ میرے والد کا عہد ہے۔ کہ وہ میری مرضی بغیر کسی سے میری شادی نہ کریں گے۔ اگرچہ یہ خلاف رسم ہے۔ مگر مجھے اجازت ہے۔ کہ میں جس شخص سے چاہوں شادی کروں۔ اور جس سے چاہوں انکار کر دوں۔ اس لئے میں سوائے تمہارے کسی کی شریک زندگی بننا پسند نہ کروں گی۔ میرے والد نے اِس بات کو بھی منظور کر لیا ہے۔ کہ میں اور چھ مہینے تک پڑھے جاؤں۔ اب میری تو یہ رائے ہے کہ ابھی تم اس امر کا تذکرہ بالکل نہ کرو۔ جب چھ مہینے گزر جائیں۔ تو تم میرے والد سے جا کر کہنا۔ اُمید ہے۔ کہ وہ ضرور مان لیں گے۔

مجھے رشیدہ کی یہ رائے پسند آئی۔ اور میں نے خیال کیا۔ کہ میں دنیا کا بڑا خوش قسمت آدمی ہوں۔ اس کے بعد میں نے امید و اعتماد کو اپنا اصول قرار دیکر دن بسر کرنے شروع کئے۔

دوسرے دن میں والد کے ساتھ مدرسے گیا۔ اور وہاں سے واپس آنے سے پہلے قاضی کا نوکر ایک رقعہ لایا۔ اس رقعے میں لکھا تھا۔ کہ جب تم مدرسے کے کام سے

فارغ ہو جاؤ۔ تو ذرا میرے مکان پر سے ہو تے جا نا"۔

جب ہم اُس کے مکان پر گئے۔ تو قاضی نے مجھ سے کہا:۔

جس طریقے سے آپ میری لڑکی کو تعلیم دیتے رہے ہیں۔ اُس کا میں تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں اپنی بیٹی کی ترقی دیکھ کر نہایت حیران ہوں۔ کہ اس قلیل عرصے میں وہ سب علوم پر حاوی ہو گئی ہے۔ اِس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ آپ کا علم نہایت وسیع اور آپ کا طریقۂ تعلیم نہایت معقول ہے۔ میری لڑکی ابھی کچھ اَور بھی پڑھنا چاہتی ہے۔ اور مجھے بھی یہ منظور ہے۔ کہ وہ چھ مہینے اَور اپنی تعلیم کو جاری رکھے۔ مگر ایک بات ہے۔ اب لڑکی آپ کے مکان پر نہیں جائے گی۔ بلکہ آپ کو میرے مکان پر آنا پڑیگا۔ اور اُن طریقوں سے پڑھانا ہو گا۔ جو ہمارے مذہب اور رسم و رواج کی رُو سے جائز ہیں۔ پردے کا اہتمام رہے گا۔ اور آپ سے سبق لیا کرے گی۔

اس کے بعد قاضی صاحب نے میرے والد کو مخاطب کیا:۔

"میرا ارادہ تھا۔ کہ اپنی لڑکی کی تعلیم کے لئے آپ سے کہوں۔ مگر چونکہ آپ کم فرصت آدمی ہیں۔ اور آپ کی یہ عمر بھی آرام کرنے کی ہے۔ اس لئے میں پھر آپ کے صاحبزادے سے درخواست کرتا ہوں۔ کہ وہ بدستور میری لڑکی کو پڑھایا کریں"۔

میرے والد نے کہا۔ کہ ہم آپ کی عنایت کے بہت ممنون ہیں۔ اور ہمیشہ آپ کی خدمت خوشی سے بجا لائیں گے۔ میرا لڑکا آپ کی صاحبزادی کو پڑھایا کرے گا۔ اور امید ہے۔ کہ وہ اطمینان بخش کام کرے گا۔

قاضی صاحب اگرچہ بخل و خست میں مشہور تھے۔ لیکن انھوں نے ایک چھوٹا سا بٹوہ نکال کر میرے والد کو دیا۔ اور کہا۔ کہ "پڑھائی کا صلہ تو میں آپ کو کیا دے سکتا ہوں۔ یہ صرف اس لئے ہے۔ کہ میں آپ کی مہربانیوں کا اعتراف کرتا ہوں"۔

اس بٹوے میں ستر روپے تھے۔ اور قاضی صاحب کے خیال میں یہ تین سال کی

محنت کا صلہ تھا۔ میں اس سے بالکل شکستہ خاطر نہیں ہوا۔کیونکہ رشیدہ کی محبت ہی میری تمام گزشتہ و آیندہ محنتوں کا کافی صلہ تھی +

دوسرے دن میں قاضی صاحب کے مکان پر گیا۔ ایک حبشی غلام نے مجھے ایک کمرے میں پہنچا دیا۔ اس کے بیچ میں ایک پردہ ٹنگا ہوا تھا۔ پردے کے قریب ایک کرسی تھی۔ حبشی نے مجھ سے کہا۔ کہ آپ اس پر بیٹھ جائیں۔ رشیدہ چند منٹ میں پردے کے دوسری طرف سے آجائیں گی +

رشیدہ پردے کے پیچھے آگئی۔ اور بیٹھتے ہی کہا۔" شیخ حسن! میں سبق شروع کرتی ہوں" اُس کی آواز نہایت شیریں تھی۔ مگر اُس سے درد ٹپکا پڑتا تھا۔ پھر کہنے لگی:" آج ہمارا سبق امید و اعتماد پر ہے۔ مشہور قواعد دانوں اور شاعروں نے اس کی جو تعریفیں لکھی ہیں۔ وہ مجھے بتائیے +

شیخ حسن اپنا قصہ چھوڑ کر مجھ سے کہنے لگا۔" تمہیں معلوم ہے۔ کہ ہماری زبان کس قدر وسیع ہے۔ اور اُس میں کس قدر استعارات و تشبیہات ہیں۔ اور تم کو یہ بھی بخوبی معلوم ہے کہ اُس زبان میں جو جاہل بولتے ہیں۔ اور اس میں جو ادبی حیثیت سے پڑھائی جاتی ہے بڑا فرق ہے + میں اور رشیدہ آپس میں شوق و محبت کی باتیں نہایت ادبی رنگ میں کر رہے تھے۔ تاکہ وہ حبشی غلام جو ہمارے پاس بیٹھا تھا۔ ہمارے مفہوم کو نہ پالے +

اس نے ہماری گفتگو کے سمجھنے کی بہت کوشش کی۔ مگر جب ہمارے شاعرانہ انداز کلام اور سنجیدہ استعاروں سے عاجز آگیا۔ تو خود ہی اُکتا کر چارپائی کے سہارے سو گیا +

رشیدہ کہنے لگی۔ کہ" یہ دونو لفظ" امید و اعتماد" میں نے آج ایک خاص مطلب سے درس کے لئے تجویز کئے تھے۔ میں تمہیں یہ بتانا چاہتی ہوں۔ کہ پچھلے دو ہفتوں میں کیا کیا واقعات گزرے ہیں۔ اور میری محبت کے پائے ثبات کو بالکل لغزش نہیں ہوئی"

تم نے دیکھا ہوگا۔ کہ جب میں تمہارے مکان پر پڑھتی تھی۔ تو علی مجھے کن نظروں سے دیکھا کرتا تھا۔ میں تاڑ گئی تھی۔ کہ اس کا کیا مطلب تھا۔ مگر وہ مجھے کبھی اچھا معلوم نہ ہوا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ تمہارے اظہار محبت سے پہلے ہی میں تمہاری ہو چکی تھی۔ اور اپنا دل کھو چکی۔ علی نے کبھی زبانی تو کچھ نہیں کہا۔ مگر وہ میری طرف سے ہمت افزائی کے ذرا سے اشارے کا منتظر تھا۔ جو نہ میں کر سکتی تھی۔ اور نہ کیا۔ چند دن گزرے ہیں کہ علی کا باپ میرے والد کے پاس آیا۔ اور ان سے درخواست کی۔ کہ میرے بیٹے علی کو آپ فرزندی میں قبول کر لیں جس قدر جہیز کا روپیہ آپ چاہیں گے۔ حاضر کر دیا جائیگا اور تمام ضروری سامان بھی مہیا ہو جائے گا۔ اور چونکہ میں بڈھا آدمی ہوں۔ اور میرے دو ہی بیٹے ہیں۔ وہ جلدی ہی میرے بعد مالک ہو جائیں گے۔ جائداد بھی بہت کافی ہے دونوں کو نصف نصف مل جائے گی۔ میرا خاندان بھی اچھا ہے۔ اس لئے امید ہے کہ آپ میری عاجزانہ التماس کو رد نہ فرمائیں گے"۔

میرے والد نے جواب دیا۔ کہ میں آپ کی درخواست سے نہایت خوش ہوں۔ اور مجھے بالکل عذر نہیں۔ لیکن میں اپنی بیٹی سے وعدہ کر چکا ہوں۔ کہ اس کی مرضی کے بغیر اس کی شادی نہ کروں گا۔ اس لئے مجھے مہلت دیجئے کہ میں اس سے پوچھ کر اس معاملے کا جواب دوں۔

اسی دن شام کو میرے والد نے اس معاملے کا ذکر مجھ سے کیا۔ اور ساتھ ہی اپنی رائے بھی ظاہر کی۔ کہ میرے نزدیک یہ بہت مناسب بات ہے۔ تم بھی اس پر غور کرو۔ مگر میں نے فوراً والد صاحب کو صاف جواب دے دیا۔ کہ میں اسے ہرگز منظور نہ کرونگی۔ میں نے والد سے بھی یہ ذکر کیا۔ کہ میں نے علی کو شیخ حسن کے مکان پر اکثر دیکھا ہے۔ اور میں اس کی بہت توقیر کرتی ہوں۔ یہ بھی مجھے معلوم ہے۔ کہ وہ دولتمند اور عالی خاندان ہے۔ مگر میں اس سے شادی نہیں کر سکتی۔ آپ اس کا ذکر میرے ساتھ نہ کریں۔ والد نے

جواب دیا۔ کہ میں تمہیں مجبور تو نہیں کرتا۔ مگر اس معاملے کو چند دن تک اور سوچ لو +

آخر آج رات میں نے والد سے صاف صاف کہدیا۔ کہ میں اپنے ارادے کو بدل نہیں سکتی۔ انہوں نے جواب میں کہا کہ "مجھے بہت افسوس ہے۔ لیکن خیر اب۔ آیندہ میں اس کا ذکر کبھی نہ کروں گا" +

پھر رشیدہ نے مجھ سے کہا "کہ تم اپنے بھائی کی نسبت اس قسم کی بات سن کر کچھ فکر نہ کرنا۔ علی کے لئے میں خود متاسف ہوں۔ اس کے باپ نے کہا تھا۔ کہ اسے مجھ سے محبّت ہے۔ اور ایسا نہو۔ کہ میرے انکار سے اسے نقصان پہنچے۔ وہ بہت جوشیلا آدمی ہے۔ ممکن ہے۔ کہ اس کا دل اس صدمے کو برداشت نہ کر سکے میں اس امر کا اعتراف کرتی ہوں۔ کہ میرے دل میں علی کی عزت ہے۔ مگر شیخ حسن! وہ عزت اس عزت سے کوسوں دور ہے جو مجھے تمہارے ساتھ ہے + مجھے یقین ہے۔ کہ وہ بہت گرم جوش اور مخلص آدمی ہے۔ ممکن ہے۔ تمہاری رائے میرے خیال سے مختلف ہو۔ لیکن میں دو نو بھائیوں میں علی کو اچھا سمجھتی ہوں۔ اگر مجھے انہیں دونوں میں سے شوہر کا انتخاب کرنا ہوتا۔ تو میں علی کو پسند کرتی" +

افسوس ہے کہ رشیدہ کو مصطفٰےؔ پر اتنا اعتماد نہ تھا۔ حالانکہ میں مصطفٰے کے خلوص و صداقت کی بہت قدر کرتا تھا۔ اور اب تک کرتا ہوں +

میں رشیدہ سے ابھی اور بھی کچھ بات چیت کرنے والا تھا۔ کہ اتنے میں وہ حبشی غلام اٹھ بیٹھا۔ پھر ہم نے عربی صرف و نحو شروع کردی۔ اور استعاروں اور ضرب المثلوں سے گفتگو ہونے لگی۔ ہماری بڑی اصطلاحات امید و اعتماد تھیں +

اسی دن شام کو مجھے مصطفٰے ملا۔ اور اس نے علی و رشیدہ کا سارا ماجرا سنایا۔ اور یہ بھی کہا۔ کہ رشیدہ کے انکار کی وجہ سے علی کا دل ٹوٹ گیا ہے۔ اور اب اس کا ارادہ ہے۔ کہ ساحل بحر پر سوسا کے مقام پر اپنے سوداگر بھائیوں کے پاس چلا جائے۔ اس کا

اس کا جانے کا ارادہ تو پہلے ہی سے ہو رہا تھا۔ مگر اب رشیدہ کے انکار نے اُسے بالکل ہی آمادہ کر دیا ہے۔ اور وہ چند ہی روز میں جانے والا ہے +

علی جانے سے مجھ سے ملنے آیا۔ اور مجھ سے تخلیے میں گفتگو کرنی چاہی۔ چونکہ مجھے قیاس سے معلوم ہو گیا تھا۔ کہ وہ مجھ سے کیا کہے گا۔ اس لئے میں اُس سے تنہا ملتے ہوئے کتراتا تھا۔ آخر وہ مجھ سے ملا۔ اور کہنے لگا۔ کہ "رشیدہ کے انکار سے میرے دل کو سخت صدمہ پہنچا ہے۔ مگر خیر میری قسمت میں یہی لکھا تھا۔ اب سوائے صبر کے کیا کر سکتا ہوں۔ خدا رشیدہ کو خوش رکھے۔ مجھے اُس کے انکار کا سبب بھی بخوبی معلوم ہے تم اس کا دل مجھ سے پہلے ہی قابو میں لا چکے تھے۔ اور اب میری یہی دعا ہے۔ کہ تم دونو دنیا میں خوش رہو۔ اور زندگی کی بہاریں لوٹو۔ تمہارا راز میرے سینے میں پوشیدہ رہے گا۔ اور اگر تمہیں کسی وقت کسی امداد کی ضرورت ہو۔ تو میں ہر طرح دل و جان سے حاضر ہوں" +

اگرچہ اُس کی باتیں اچھی تھیں۔ مگر اُس کے لہجے سے نفرت ٹپکتی تھی۔ اور جب تک وہ میرے پاس بیٹھا رہا میرے دل کو کچھ اضطراب اور بے اطمینانی سی محسوس ہوتی رہی۔ اور جب وہ اُٹھ کے چلا گیا۔ تو مجھے چین پڑا +

چھ مہینے بہت جلد گزر گئے۔ اور آخر میری اور رشیدہ دونو کی یہی رائے ٹھہری کہ چند ہفتے اور ٹھہر کر میرے والد قاضی صاحب کے پاس جائیں +

رشیدہ کی پڑھائی ختم ہونے کے چند ہفتے بعد میں نے اپنی والدہ سے کہا۔ کہ "آج سے تین سال پہلے آپ نے مجھ سے شادی کے لئے کہا تھا۔ مگر اُس وقت میں نے اپنی تعلیم کا خیال کر کے انکار کر دیا تھا۔ مگر اب میں آپ کے حکم کی تعمیل کے لئے تیار ہوں" +

والدہ نے جواب دیا "بیٹا میری تو دلی خواہش ہے۔ کہ میں مرنے سے پہلے تم کو خوش و خرم اپنے گھر میں آباد دیکھوں۔ اور تمہارے والد کی بھی یہی رائے ہے۔

اب حسن کی شادی جلد کر دی جائے + میں ٹیوشن میں تمہارے ماموں کے پاس جاتی ہوں۔ اور اس کی جون سی لڑکی مجھے زیادہ حسین نظر آئی۔ اُسے پسند کر آؤں گی بس اس سے تمہاری شادی رچادوں گی "+

میں نے کہا" اماں جان۔ میرا یہ مطلب نہیں ہے۔ میں تو اسی لڑکی سے شادی کروں گا جس سے میں محبت کرتا ہوں" والدہ نے مسکرا کر پوچھا" وہ لڑکی کون سی ہے"؟ میں نے بتایا کہ" قاضی صاحب کی بیٹی رشیدہ "+

میری والدہ کہنے لگیں" بیٹا جب اپنے گھر میں لڑکیاں موجود ہیں۔ تو تم کو کیا پڑی ہے۔ کہ غیر گھر میں شادی کرو۔ اور اس کے سوا وہ قاضی تم جیسے غریب آدمی سے اپنی لڑکی کی شادی کیوں کرنے لگا تم بھی اپنے بھائی کی طرح خواہ مخواہ رنج اُٹھاؤ گے۔ اس کا خیال بھی دل میں نہ لاؤ + میں تمہارے ماموں کے پاس جاؤں گی۔ اور وہ کبھی انکار نہ کرے گا + وہ امیر آدمی ہے۔ اور بجائے جہیز مانگنے کے خود بہت سا سامان دے گا +

میں نے سر جھکا کر کہا" اماں جان۔ یہ تو ممکن ہی نہیں۔ اگر شادی کروں گا۔ تو رشیدہ سے۔ ورنہ اور کسی سے نہیں "+

والدہ یہ سُن کر چپ ہو گئیں۔ شام کو میں نے والد سے ذکر کیا۔ اُنہوں نے بھی اس معاملے میں مایوسی ظاہر کی۔ مگر پھر بھی اقرار کر لیا۔ کہ وہ قاضی صاحب سے اس معاملے میں گفتگو کریں گے + دوسرے ہی دن وہ قاضی صاحب کی خدمت میں گئے۔ اور کہنے لگے۔ کہ" آج میں آپ سے ایسی چیز مانگنے آیا ہوں۔ جو بہت عزیز و قیمی ہے"+

قاضی" میرے نزدیک تو کوئی ایسی چیز میرے قبضے میں نہیں جس کے دینے سے میں انکار کروں۔ آپ کے مجھ پر بیحد احسانات ہیں۔ آپ ارشاد فرمائیے میں ہر طرح حاضر ہوں"+

والد" آپ کے الفاظ سے میری جرأت بڑھ گئی ہے۔ میں اس لئے آیا ہوں۔ کہ اپنے

لڑکے کی طرف سے رشیدہ کے لئے درخواست کروں" ✤

قاضی:- "مگر آپ اس قدر جہیز کہاں سے لائیں گے۔ میں نے تو فیصلہ کر رکھا ہے کہ جو شخص اس قدر جہیز جتنا میں چاہتا ہوں۔ فراہم نہ کرسکے گا۔ اُس کے ساتھ رشیدہ کی شادی نہیں ہوسکتی" ✤

اس کے ساتھ ہی قاضی صاحب نے ایک اتنی بڑی رقم بھی بتا دی جو ہماری طاقت سے بالکل باہر تھی۔ اور جسے ہم کسی سے قرض بھی نہ لے سکتے تھے + میرے والد نے قاضی صاحب سے کہا۔ کہ آپ اس معاملے پر غور کریں۔ مگر اُس نے صاف جواب دے دیا ✤

جو کچھ قاضی نے کہا۔ اگرچہ مجھے پہلے ہی سے معلوم تھا۔ اور میں اُس کی طینت کو خُوب سمجھتا تھا لیکن جب نتیجہ سُنا۔ تو بہت مایُوس و شکستہ دل ہوگیا۔ اور ہم سب کی یہی رائے ٹھہری۔ کہ اس قدر روپے کا بہم پہنچانا ہمارے لئے ناممکن ہے۔ اس لئے اِس معاملے سے مایُوس ہی ہو جانا چاہئے ✤

رشیدہ نے بہت دفعہ مجھ سے صرف و نحو کے سوال پُوچھنے کے بہانے سے محبت آمیز خطوط لکھے۔ مگر اس مایُوسی و ناکامی سے میری صحت پر بُرا اثر پڑنے لگا۔ نہ کھانا اچھا لگتا تھا۔ نہ نیند آتی تھی۔ دن بدن لاغر ہوا جاتا تھا۔ میرے ماں باپ نے جب میری یہ حالت دیکھی۔ تو بہت فکرمند ہوئے + میرے والد پھر ایک دفعہ قاضی صاحب کے پاس گئے۔ اور اُن سے کہا۔ کہ:۔

"آپ میری گھبراہٹ اور پریشانی کو معاف فرمائیں۔ میرا ایک ہی بیٹا ہے۔ اور وہ بھی آپ کی سخت شرائط سے مایُوس ہو کر بستر علالت پر پڑا ہے۔ اس کو بہت سمجھایا۔ مگر وہ نصیحت کو تو سُنتا ہی نہیں + آج میں پھر اسی غرض کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ کہ رشیدہ کے بارے میں جو جواب آپ نے دیا ہے۔ اُس پر پھر غور کریں ✤

قاضی"سُنئے حضرت میرا یہ عزم مصمم ہے۔ کہ میں اپنی بیٹی کی شادی کسی امیر آدمی سے کروں گا۔ اور شیخ حسن کو قبول کرنے کی صرف دو شرائط ہیں۔ ایک تو یہ کہ رشیدہ بھی اُسے قبول کرے۔ دُوسرے یہ کہ آپ مجھے سات ہزار روپیہ نقد دیں + یہ رقم کا تیسرا حصّہ بھی نہیں۔ جو میں نے آپ سے پہلے طلب کی تھی بس میرا یہ فیصلہ ناطق اور آخری ہے"۔

والد"بہت اچھا۔ خدا کارساز ہے۔ وہی میری مدد کرے گا"۔ یہ کہ کر والد صاحب اُٹھے۔ اور گھر آکر قاضی کا یہ فیصلہ سُنایا۔ مگر ہمیں پھر بھی مایُوسی تھی۔ اور یہ تھوڑی رقم بھی ہمارے امکان سے باہر تھی + آخر میری والدہ نے یہ تجویز کی۔ کہ "میں اپنے بھائیوں سے روپیہ فراہم کرنے کی کوشش کروں گی۔ مصطفٰے کا والد امیر آدمی ہے۔ اور تمہارا دُوسرا ماموں جو ٹیونس میں ہے۔ وہ بھی اللہ رکھے متموّل ہے انشاء اللہ وہ دونو مدد دیں گے"۔

میں نے اب تک مصطفٰے سے رشیدہ کا ذکر نہیں کیا تھا۔ بہت دفعہ میں نے ارادہ کیا۔ مگر شرم سی آگئی + مجھے اس پر بہت اعتماد تھا۔ اور میرا کوئی راز اُس سے پوشیدہ نہ تھا۔ مگر رشیدہ کا ذکر میں نے اُس سے مدت تک نہ کیا + آخر رہ نہ سکا اور اُس سے کہ ہی دیا + اُس نے سُن کر مجھ سے بہت ہمدردی ظاہر کی۔ اور کہنے لگا۔ کہ "میں تمہیں اس امر پر مبارکباد دیتا ہوں۔ تم بڑے خوش قسمت ہو۔ کہ ایسی اچھی بیوی تمہیں ملے گی۔ میرے دل میں رشیدہ کی بہت عزت ہے۔ اور اگرچہ میرے بھائی علی کی قسمت میں یہی لکھا تھا۔ کہ اُس کی شادی رشیدہ سے نہ ہو۔ مگر خیر۔ یہ بھی غنیمت ہے۔ کہ اُس کی شادی تم سے ہوگی کیونکہ مجھے علی کی نسبت تمہارے ساتھ زیادہ محبت ہے + روپے کی کون سی بات ہے۔ اس کا تدارک بہت جلد ہو جائے گا۔ کیونکہ مجھے یقین واثق ہے۔ کہ والد دیدینگے۔ اور تمہاری خوش قسمتی پر

انہیں بھی مسرّت ہوگی + اگرچہ اُس کی ضرورت تو معلوم نہیں ہوتی۔ لیکن میں بھی اس معاملے کی نسبت والد سے کہوں گا"

مصطفٰے کے باپ نے والدہ کو کچھ روپیہ دے دیا۔ اور کہنے لگا" کہ میں تو تمہیں سارا روپیہ دے دیتا۔ لیکن آج کل انتظام کرنا ذرا مشکل ہو رہا ہے تم ٹونس جاؤ۔ باقی روپیہ تمہیں بھائی دے دیں گے۔ اور اگر وہ نہ دیں۔ تو پھر میرے پاس آنا میں ضرور کہیں نہ کہیں سے باقی روپے کا بندوبست بھی کر دوں گا"

اب تو میری قسمت کا ستارہ چمک اُٹھا۔ اور میری خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا + والدہ ٹیونس گئیں۔ میرے دوسرے ماموں نے باقی روپیہ بھی دے دیا۔ اور پانسو روپیہ شادی کے اخراجات کے لئے بھی دیا + اس کے علاوہ ماموں نے بہت سا سامان اور کپڑے مجھے تحفے کے طور پر بھیجے۔ اور نہایت شفقت آمیز خط لکھا۔ کہ "میں خود آتا۔ مگر کام کی کثرت سے معذور ہوں۔ خدا تمہیں شادی مبارک کرے" +

جب میری والدہ واپس آئیں۔ تو میرے والد پھر قاضی صاحب کے پاس گئے۔ اور وہی چار دن میں کارروائی ٹھیک ٹھاک ہو گئی + کاغذ لکھے گئے۔ اور شادی کی تاریخ مقرر ہو گئی +

قاضی صاحب نے اس موقع پر ایک بہت بڑی دعوت کی جو تین دن اور تین رات متواتر رہی۔ کیونکہ قاضی صاحب کی شان کے شایاں بھی یہی تھا + امیر و غریب ہر ایک کے لئے اُس کا دروازہ کھلا تھا۔ اور اُس کے نوکر ہر گلی کوچے اور ہر بازار میں کھڑے تھے۔ کہ لوگوں کو مجبور کر کے لائیں اور دعوت میں شریک کریں + جلسوں کی رونق کے لئے گوئیے۔ گانے والی عورتیں۔ قوّال۔ نقال۔ بازیگر۔ ناچنے والے۔ قصّہ خواں۔ غرض ہر ایک طرح کے آدمی موجود تھے +

میرے والد نے اپنے مدرسے کے طالب علموں اور مدرّسوں کی دعوت کی۔

اور مصطفٰے نے ہمیں کمرے آراستہ کرنے اور دعوتوں کا انتظام کرنے میں ہر طرح کی امداد دی۔ اور جو کمرے میرے لئے الگ کر دئے گئے تھے۔ خاص طور پر سجائے کیونکہ ہمیں اپنی رسم کے مطابق اپنے باپ ہی کے گھر رہنا سہنا تھا۔ مصطفٰے شادی کی دعوت کا بہت ماہر منتظم تھا۔ اور میرا کام تو وہ خاص خوشی اور خلوص کے ساتھ کرتا تھا۔

آدھی رات کے وقت برات بڑی دھوم دھام کے ساتھ مسجد سے چڑھی اور قاضی کے مکان پر گئی۔ پھر وہاں سے ہمارے ہاں آئی آگے آگے مشعلوں والے تھے۔ اور لوگوں کو پکار کے کہتے جاتے تھے۔ کہ "دولھا اور دلھن سے ملنے کے لئے تیار رہو" جس گلی میں جلوس گزرتا تھا۔ سیکڑوں عورتیں اور مرد خیر خواہی اور خلوص ظاہر کرنے کے لئے ہاتھوں میں چراغ اور موم بتیاں لئے ہوئے ساتھ شریک ہوتے جاتے تھے۔

میری اور رشیدہ کی شادی ہو گئی۔ اور ہماری محبت میں دن دگنی رات چوگنی ترقی ہونے لگی۔ ہمارا سارا وقت خوشی میں صرف ہوتا تھا۔ تیسرے پہر ہم باغ میں ہوتے تھے۔ اور والد سے کوئی نہ کوئی نئی حدیث سنتے۔ یا بڑے بڑے مصنفین کی کتابوں پر بحث کیا کرتے تھے۔ رشیدہ چونکہ عالمہ تھی۔ اس لئے اس قسم کے شغل میں بہت دلچسپی لیتی تھی۔

شادی سے دو سال بعد ہمارے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ بہت گورا چٹا۔ پیارا پیارا بڑی بڑی سیاہ آنکھوں والا۔ وہ بالکل اپنی ماں کی شکل کا تھا۔ میں نے اس کا نام اپنے والد اور اپنے بھائی مصطفٰے کے نام پر احمد مصطفٰے رکھا۔ احمد کے پیدا ہونے سے تھوڑی مدت بعد میرے والد نے قضا کی۔ مجھے اُن کی موت سے سخت صدمہ ہوا۔ مگر خدا کی مرضی پر شاکر رہنا۔ اور اپنی والدہ کی خبر گیری میں مصروف ہو جانا پڑا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

اس کے بعد میں ممبران مدرسہ اور طلبا کے اتفاق رائے سے مدرسے کا صدر مدرس مقرر ہوا۔ کیونکہ نائب مدرسی کے زمانے میں میں نے انہیں بہت خوش رکھا تھا۔ اس کے بعد رشیدہ کے والد قاضی صاحب بھی ایک اعلٰے عہدے پر کسی دور شہر میں بدل گئے۔

باب ششم

شب غم

ہماری زندگی معمولی طور پر گذرتی گئی۔ میں روزمرہ مدرسے جاتا۔ اور شام کا وقت رشیدہ اور اپنے بچے کے ساتھ باغ میں بسر کرتا+ رات کو میں اکثر دوسرے دن کے درس کی تیاری کرتا۔ یا رسوم کے متعلق احادیث و روایات لکھتا۔ اور اُن میں رشیدہ مجھے بڑی مدد دیتی+ میری والدہ اکثر میرے پاس بیٹھی، سلائی اور کشیدہ کا کام کرتی رہتی۔ تمام گھر کا انتظام ہر قسم کی ضروریات کی نگہداشت اور سامان آسائش کا بندوبست وہی کرتیں۔ کیونکہ مشرق میں یہ دستور ہے۔ کہ والدہ کی زندگی میں بیوی گھر کے کام میں دخل نہیں دے سکتی+ ہماری صرف ایک حبشن خادمہ تھی۔ جو روٹی پکاتی تھی۔ کیونکہ ہمارا طرز معاشرت بہت سیدھا سادہ تھا۔ اور ضروریات بہت محدود تھیں۔ احمد بہت ذہین و ہوشیار لڑکا تھا۔ اور تین سال میں ایسی سمجھ کی باتیں کرتا تھا۔ کہ اُس سے سہ چند عمر کا بچہ بھی نہیں کرسکتا تھا+

مصطفےٰ اکثر ہم سے ملنے آیا کرتا تھا۔ اُسے احمد سے بہت محبت تھی۔ وہ اُس سے گھنٹوں کھیلا کرتا تھا۔ بچہ بھی اُس سے بہت مانوس تھا۔ اور اُسے ماموں تُقا کہا کرتا تھا۔ چار سال کی عمر میں احمد حرف شناسی کرنے لگا۔ اور ہجے بھی سیکھ گیا۔ رشیدہ اور میں تو احمد سے صرف محبت ہی کرتے تھے۔ مگر میری والدہ اُس کی پرستش کرتی تھی۔ کیونکہ وہ بہت بھولا بھالا بچہ تھا اور بہت ہی پیارا لگتا تھا+

انہی دنوں میں مصطفےٰ کے والد کا بھی انتقال ہوگیا۔ اُسے اُس کا بہت رنج ہوا۔ مگر پکے مسلمانوں کی طرح مشیت ایزدی پر صابر و شاکر رہا۔ اور پیغمبر خدا صلعم کے ارشاد

ارشاد کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْتِ کو یاد کرتا رہا ✤

جب تک علی سوسا سے آئے مصطفٰے کوئی سات آٹھ ہفتے تک ہمارے ہی پاس رہا۔ اور جب جائداد تقسیم ہو چکی۔ تو رخصت ہوا۔ مجھے اُس کے جانے سے بہت رنج ہوا۔ مگر رشیدہ خوش معلوم ہوتی تھی۔ کیونکہ وہ کہتی تھی۔ کہ یہ میرا بہت وقت ضائع کرتا ہے۔ اور اس کے اطوار بھی اچھے نہیں ✤

میری رائے میں رشیدہ مصطفٰے کے چال چلن کو اچھی طرح سمجھ نہیں سکی۔ اور اگر اُسے میری طرح یہ معلوم ہو جاتا۔ کہ مصطفٰے فی الحقیقت بہت اچھا آدمی ہے۔ تو وہ کبھی اُس سے اس قدر نہ شرماتی۔ میرا خیال تھا۔ کہ مصطفٰے کے اچھے برتاؤ سے کچھ عرصہ بعد رشیدہ اسے اچھا سمجھنے لگے گی۔ مگر میں نے اپنا خیال رشیدہ پر ظاہر نہیں کیا۔ کیونکہ مجھے بخوبی معلوم ہو گیا تھا۔ کہ اُس کی ناپسندیدگی کچھ نفرت کی وجہ سے نہ تھی۔ بلکہ شائد طبائع کے مختلف ہونے کے سبب سے تھی ✤

علی جب تک ولید میں رہا۔ ہمارے مکان پر آتا جاتا رہا۔ مصطفٰے نے علی کے حصے کی جائداد بھی اُس سے خرید لی۔ کیونکہ علی کو تجارتی کاروبار کے لئے روپے کی بہت زیادہ ضرورت تھی۔ علی اور اُس کا ماموں زاد بھائی سوسا میں بڑے بھاری سوداگر تھے۔ اور ہمچشموں میں اُنہیں بہت افتخار و امتیاز حاصل تھا ✤

اب علی بہت جوان اور خوبصورت نکل آیا تھا۔ اُس کا قد پہلے سے لمبا اور جسم بہت بھرا ہوا تھا۔ لیکن اُس کا بھائی مصطفٰے باوجود مضبوط ہونے کے بھی پست قد اور دُبلا تھا ✤

علی ہمارے لئے بہت سے تحائف لایا۔ اور ہمارے گھر میں اُس کی بہت آؤ بھگت ہونے لگی۔ رشیدہ کا اور اُس کا سلوک بہت بڑھ گیا۔ علی اپنی پرانی مایوسی کو بھول گیا تھا۔ اور اپنی نئی زندگی کا حال سُنا کر کہا کرتا تھا۔ کہ "اب میں بہت خوش ہوں۔ سوسا نہایت اچھی جگہ ہے۔ ہمارے شہر میں بڑی تجارت ہوتی ہے۔ اور ہمارے اس چھوٹے

سے سنسان قصبے کی طرح نہیں + ابھی میری شادی نہیں ہوئی۔ اور نہ ابھی کچھ عرصے تک شادی کرنے کا ارادہ ہی ہے" +

علی دو مہینے تک مصطفٰے کے پاس رہا۔ اور آخر سوسا کو چلا گیا + اُس کے جانے کے ایک دن بعد مجھے ایک پاس کے قصبے میں جانے کی ضرورت پیش آئی۔ وہاں مجھے تمام دن رہنا تھا۔ مگر میرا ارادہ تھا۔ کہ اُسی رات واپس چلا آؤں۔ یہ قصبہ سوسا کی مخالف سمت میں واقع تھا۔ ورنہ میں علی کے ساتھ اپنا سفر طے کرتا + جاتے وقت میں مصطفٰے سے ملا۔ اور اُس سے کہتا گیا۔ کہ "دن کو میرے مکان پر جانا۔ اور اگر میری والدہ یا رشیدہ کو کسی چیز کی ضرورت ہو۔ تو بہم پہنچا دینا۔ اور رات کو بھی مکان پر ہو جانا۔ میں چار پانچ گھنٹے رات گئے تک پہنچ جاؤں گا۔ اگر میں نہ پہنچ سکوں تو رات وہیں رہنا۔ کیونکہ شاید عورتوں کو اکیلے ڈر معلوم ہو" +

مصطفٰے نے ہر طرح خبرگیری کا وعدہ کر لیا۔ شام تک مجھے کام سے فرصت نہ ملی۔ مگر میرا یہ مصمم ارادہ تھا۔ کہ اس رات گھر سے باہر نہ رہوں گا۔ اس لئے چار گھنٹے رات گزرنے کے بعد گھر پہنچ ہی گیا + رات اندھیری تھی۔ ابر چھایا ہوا تھا۔ اور سراکو (ایک قسم کی ہوا) چل رہی تھی۔ جس سے ہوا بھاری لگتی تھی۔ اور دم بند ہوتا جاتا تھا۔ میں نے اپنے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ اگرچہ میں بغیر دستک دئے بھی اندر جا سکتا تھا۔ لیکن میرے تصوّر میں یہ نقشہ جم رہا تھا۔ کہ رشیدہ اور گھر کے سب آدمی مجھے دوڑ کر ملنے کے لئے دروازے کی طرف آرہے ہیں۔ اس لئے میں نے دروازہ کھٹکھٹانا مناسب سمجھا +

میرے تعجّب کی کچھ انتہا نہ رہی جب اندر سے کسی نے جواب نہ دیا۔ میں نے پھر دروازہ کھٹکھٹایا۔ مگر پھر بھی کوئی کھولنے نہ آیا۔ میں نے زور سے دھکیل کر دروازہ کھول دیا۔ راستے میں بالکل اندھیرا تھا۔ گھر میں بھی چراغ تک نہ تھا۔ اور چاروں طرف ایسا سناٹا چھا رہا تھا۔ کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ پہلے کبھی ایسا نہ ہوا تھا۔ اور میں اس غیر معمولی

واقعے پر حیران ہو رہا تھا۔ میرا دل دھک سے رہ گیا۔ اس کی حرکت بند ہو گئی۔ تمام بدن میں لرزہ سا ہو گیا۔ اور ٹھنڈے پسینے کے قطرے چہرے پر نمودار ہو گئے میں نے اپنے آپ کو بہت سنبھالا۔ مگر پھر بھی ڈر دُور نہ ہوا۔ چلتے ہوئے راستے میں میں نے زور سے پکارا "رشیدہ! رشیدہ!!" مگر کوئی آواز سُنائی نہ دی +

"اماں۔ اماں۔ تم کہاں ہو؟ مصطفےٰ! اماں۔ رشیدہ!" کسی نے جواب نہ دیا۔ گھر بھر میں خوفناک خاموشی کا تسلط ہو رہا تھا۔ اور مجھے سخت وحشت ہو رہی تھی + ایسا معلُوم ہوتا تھا۔ کہ پاؤں تلے سے زمین نکلی جا رہی ہے۔ اور میری ٹانگیں میرے جسم کا بوجھ سہار نہیں سکتیں۔ ڈر کے مارے میرے ہاتھ پاؤں پُھول گئے میں بہت کوشش سے اُس کمرے میں پہنچا۔ جہاں ہم اکثر رات کو بیٹھا کرتے تھے +

اُس کا دروازہ آسانی سے نہ کُھلا۔ بلکہ میں نے اُسے زور سے دھکیل کر کھولا۔ کیونکہ اندر کی طرف ایک لکڑی کی تپائی گری پڑی تھی + جب میں کمرے میں داخل ہوا۔ تو دیکھا۔ کہ لیمپ حسب معمول روشن ہے۔ میں نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ تو کیا کہوں۔ کہ مجھے کیا نظر آیا۔ الامان! الحفیظ!! وہ نظارہ دیکھتا تھا۔ کہ خوف و وحشت سے میری آنکھیں باہر نکل آئیں +

اتنا کہہ کر شیخ حسن خاموش ہو گیا۔ اور آنکھوں پر ہاتھ رکھ لئے۔ پھر بولا جب مجھے اس رات کا خیال آتا ہے۔ تو میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور میرا دل پھٹنے لگتا ہے۔ مگر یہ اثر عارضی ہوتا ہے۔ کیونکہ اب میرے لئے دنیا کی تمام ناپائدار خوشیاں اور اُس کے تمام دائمی رنج جنہیں میں اچھی طرح دیکھ چکا ہوں۔ مُردہ اور بے حقیقت ہیں + اب میں اُن خوشیوں اور غموں کے خیال میں نہیں رہتا۔ اُن کا وقت کبھی تھا۔ مگر اب وہ خواب و خیال ہیں۔ اب تو میں اُس ارفع و اعلےٰ زندگی کی امید میں رہتا ہوں۔ جو غیر فانی و رُوحانی ہے!

کمرے میں ایک طرف میں نے دیکھا۔ کہ میری والدہ پڑی ہیں۔ آدھا دھڑ پلنگ پر ہے۔ اور آدھا فرش پر۔ اُس کا سر و سینہ کپڑوں میں لپٹا ہوا۔ اُس کے سفید کپڑے خون میں تربتر تھے۔ اور نیچے فرش بھی خون سے بھرا ہوا تھا۔ اُس سے تھوڑے فاصلے پر کمرے کے اُس طرف میرا لڑکا پڑا تھا۔ آنکھیں بند تھیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ خوب مزے سے میٹھی نیند سو رہا ہے۔ اُس کے دونو ہاتھ ملے ہوئے تھے۔ میں نے دوڑ کر اُسے اُٹھا لیا۔ اگرچہ اُس کا جسم اب تک گرم تھا۔ مگر میں نے دیکھا تو دل کی حرکت بالکل بند تھی۔ اور سانس بھی نہ آتا تھا۔ اُس کا سر میری گود میں گر پڑا۔ اور میں نے دیکھا۔ کہ کان کے پیچھے اُسے ایک زخم لگا ہوا ہے۔ معلوم ہوتا تھا۔ کہ یہ زخم کسی سخت ہتیار کا ہے۔ اور ایک ہی ضرب میں بچے کا کام تمام کیا گیا ہے۔ آہ! اُس پیاری سی ننھی جان کو کسی نے بے رحمی سے قتل کر دیا تھا۔ اب آگے دیکھتے ہوئے میرا دل ڈرتا تھا۔ میں ایک طرف مُنہ پھیر کر کھڑا ہو گیا۔ کہ مبادا رشیدہ بھی مجھے اسی حالت میں نظر آئے۔

آخر میں نے مجبور ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنا شروع کیا۔ کمرے کی سب چیزیں اُلٹ پلٹ تھیں جس سے یہ معلوم ہوتا تھا۔ کہ خاصی کشمکش ہوتی رہی ہے۔ رشیدہ وہاں نہ تھی۔ میں دوسرے کمرے میں گیا۔ مگر وہاں بھی کوئی نہ تھا۔ پھر میں بھاگ کر اپنی والدہ کے کمرے میں گیا۔ وہاں بھی سب چیزیں جوں کی توں تھیں۔ اس کے بعد میں پریشان ہو کر باورچی خانے میں آیا۔ حبشن لونڈی فرش پر مُردہ پڑی تھی۔ اور اُس کی چھاتی میں خنجر کا نشان تھا۔ اُس کے ہاتھ میں ڈوئی تھی جس سے وہ کھانا تیار کر رہی ہوگی۔ کھانا اب تک پک رہا تھا۔

پھر گھبرا کر اپنی والدہ اور مظلوم و معصوم بچے کی طرف گیا۔ اور حیران ہو کر اُن کی طرف دیکھنے لگا۔ میں نے اس معاملے کو سوچنا چاہا۔ مگر دماغ بالکل ناکارہ ہو چکا تھا۔ اور مجھے معلوم ہوتا تھا۔ کہ میرے سر کے گرد گرم لوہا لپٹا ہوا ہے۔ اور مغز تک آگ لگ رہی ہے۔ میں نے چلانے کی کوشش کی۔ مگر بے سود۔ حلق خشک ہو رہا تھا۔ اور زبان تالو سے چمٹ کر

رہ گئی تھی۔ آخر بہت کوشش کے بعد آواز نکالی۔ مگر گھگی بندھی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ وہاں سے یکایک مجھے سخت وحشت ہوئی۔ اور میں باغ کی طرف بھاگا۔ پھر وہاں سے سڑک پر چلا گیا۔ آخر ایک گھوڑے کی ٹاپ سُنائی دی۔ میں نے آواز دی۔ اور اُس کا جواب دُور سے کسی نے دیا۔ میں نے پھر آواز دی۔ آخر جواب ملا "کون پکار رہا ہے"

میں "(آواز پہچان کر) مصطفٰے! مصطفٰے! خدا کے لئے جلدی آؤ۔ اور دوڑ کر آؤ"

مصطفٰے "کیا ہوا۔ کون ہے۔ کیا معاملہ ہے"!

وہ گھوڑے سے اُتر کر آیا۔ میں نے اُسے دیکھتے ہی کہا۔ جلدی آؤ۔ پھر اُسے گھسیٹ کر گھر کے اندر لے گیا۔ مجھے وہ وقت کبھی نہ بھولے گا۔ اور مصطفٰے کی وہ شکل جو اُس نے اُس مہیب نظارے کو دیکھ کر بنائی۔ میرے دل پر ہمیشہ نقش رہے گی۔ وہ دھم سے فرش پر گر پڑا۔ اور بچوں کی طرح زار زار رونے لگا۔ اور چیخیں مار مار کر گھر سر پر اُٹھا لیا۔ اس کے بعد اُس نے کہا۔ کہ ابھی دو گھنٹے نہیں گزرے۔ کہ میں ان کے پاس سے گیا ہوں۔ اور سب کو خوش و خرم چھوڑ گیا تھا۔ یہ کہہ کر اُس نے پھر اپنا سر پیٹنا شروع کیا۔ اور ڈاڑھی نوچنے لگا۔ ہائے میں جلدی کیوں نہ آ گیا۔ ہائے میں گیا ہی کیوں تھا!

میں نے اپنے پیارے بچے کو گود میں اُٹھا لیا۔ اور اُس سے باتیں کرنے لگا۔ کہ وہ جاگ اُٹھے۔ دفعتہً مجھے خیال آیا۔ کہ وہ مسکرا رہا ہے۔ اور اُسے سانس آنے لگا ہے۔ میں نے مصطفٰے سے کہا کہ احمد ابھی زندہ ہے۔ میں نے احمد احمد کہہ کر پکارا۔ اور اُس سے باتیں شروع کیں۔ مگر وفور غم سے میری طاقت زائل ہو گئی۔ اور میں بیہوش ہو کر فرش پر گر پڑا۔

جب مجھے ہوش آیا۔ تو میں نے دیکھا۔ کہ میں ایک بستر پر پڑا ہوں۔ اور مصطفٰے میرے پاس بیٹھا ہے۔ وہ نہایت غمگین اور اُداس معلوم ہوتا تھا۔ میں نے آنکھیں کھولتے ہی اُس سے کہا۔ "مصطفٰے! میں کہاں ہوں۔ اور یہاں کیوں ہوں"؟

مصطفٰے "گھبراؤ نہیں۔ تم اپنے نائب مدرس شیخ ابراہیم کے مکان پر ہو۔ کسی غیر جگہ

نہیں ہو۔میں بہت خوش ہوں۔کہ تم نے آنکھیں کھولیں +

میں "میں یہاں کب سے ہوں۔اور چارپائی پر کیوں پڑا ہوں"؟

مصطفےٰ "تم بہت بیمار ہو۔اور تین ہفتے سے یہاں ہو۔مگر اس وقت زیادہ باتیں نہ کرو بالکل خاموش رہو۔تاکہ کہیں پھر بیہوش نہ ہو جاؤ + دو ایک دن میں مفصل گفتگو کریں گے" +

مصطفےٰ نے دوسرے دن سارا واقعہ بیان کیا۔اور کہا۔کہ میں نے تمہیں ہوش میں لانے کی بہت تدبیریں کیں۔مگر سب بے سود۔اسی دن میں نے حاکم کو خبر کر دی تھی۔قاضی نے گھر پر آکر تصدیق کی۔سارا معاملہ درست تھا۔ایسے وحشیانہ اور ظالمانہ جرم سے تمام قصبے میں شور مچ گیا۔اور تمام لوگوں میں تمہاری نسبت ہمدردی و دلسوزی کے جذبات پیدا ہو گئے ہیں +

میں نے کبھی کسی کو ایذا نہ پہنچائی تھی۔اور نہ کسی کو مجھ سے عناد ہی تھا کہ وہ مجھ پر ایسا ظلم کرتا۔یہ تو صاف ظاہر تھا۔کہ یہ جرم لوٹنے یا چوری کرنے کی نیت سے نہیں کیا گیا تھا۔کیونکہ گھر میں سب چیزیں صحیح سلامت تھیں۔مگر سب سے زیادہ عجیب بات رشیدہ کا غائب ہو جاتا تھا + اس کا کہیں پتہ نہ چلتا تھا۔باوجودیکہ قاضی صاحب نے سخت حکم دے رکھا تھا کہ سارے ضلع میں اچھی طرح تحقیقات کی جائے۔میرے باغ کے اور پڑوس کے۔اور تمام کنوؤں میں تلاش کی جائے۔مگر کامیابی نہ ہوئی۔اور کچھ سراغ نہ چل سکا۔کہ اس غریب کا کیا حشر ہوا +

بعض لوگوں کا خیال تھا۔کہ پڑھ پڑھ کر رشیدہ کا دماغ چل گیا تھا۔اور جنون کی حالت میں یہ خوفناک حرکت اس نے خود کی تھی۔اور اس کے بعد یا تو خود کہیں چھپی ہوئی ہو گی۔یا کسی کنوئیں میں گر کر مر گئی ہو گی۔مگر یہ بات نہ تھی۔رشیدہ جیسی نازک عورت اس قدر گہرے زخم نہ لگا سکتی تھی۔علامات سے یہ بھی ظاہر ہو رہا تھا۔کہ رشیدہ اور کسی اور شخص کی ہاتا پائی ہوتی رہی ہے۔ان سب باتوں سے اس کے سوا اور کچھ نتیجہ نہ نکلتا تھا۔کہ یہ کسی مرد

کا کام ہے +

مصطفٰی کہنے لگا۔ کہ ہم آپ کو یہاں قاضی صاحب اور شیخ ابراہیم کی درخواست پر لائے ہیں۔ کیونکہ یہ مقام نزدیک ہے۔ اور یہاں تمہاری خبر گیری اچھی طرح ہو سکتی ہے + قاضی صاحب نے مقتولوں کے جنازوں کا اہتمام اپنے ذمے لیا تھا۔ اور جنازوں کے ساتھ بہت سے آدمی تھے۔ تمہاری والدہ اور بچے کو ساتھ ساتھ دفن کیا ہے۔ تمہارے اِس حادثے پر تمام غمگین ہیں۔ اور سنگدل سے سنگدل لوگ بھی روتے ہیں۔ مدرسے کے سب طالب علم بھی اِس واقعہ پر متاسف ہیں۔ اور کوشاں ہیں۔ کہ اس ظلم کے بانی کو پکڑیں + اِس مقصد کے لئے وہ مختلف دیہات اور قصبوں میں تلاش کے لئے گئے ہیں۔ کہ شاید کچھ سراغ مل جائے + شہر کے حاکموں نے بھی بہت کوشش کی ہے۔ مگر اب تک پتہ نہیں چلا + بعض لوگوں کا شک علی پر تھا۔ اِس شبہ کی دلیل یہ تھی۔ کہ رشیدہ سے شادی کرنے کے معاملے میں چونکہ اُسے ناکامی ہوئی تھی اِس لئے اب کی دفعہ جب اُس نے رشیدہ کو دیکھا تو محبت نے از سر نو جوش مارا ہو گا۔ رقیب کو کامیاب دیکھ کر کینہ و حسد کے جذبات بھڑک اُٹھے ہوں گے۔ اور آخر کار اُس کا یہ نتیجہ ہوا ہو گا۔ جو ظہور میں آیا +

وہ تم سے ایک دن پہلے روانہ ہو گیا۔ اِس عمل سے اُس کا مقصد صرف تمہیں دھوکا دینا تھا + وہ پاس ہی کے کسی گاؤں میں جا کر ٹھہر گیا۔ اور موقع کی تاک میں رہا۔ بس جوں ہی تم گھر سے چلے گئے۔ اُس نے یہ خوفناک جُرم کیا +

قاضی صاحب نے اُن افواہوں کو قابل وقعت خیال کر کے علی کی گرفتاری کا حکم دیا۔ اور اب وہ حوالات میں ہے + اُس کی سخت نگرانی کی جا رہی ہے۔ کوئی شخص اُس کے پاس نہیں جا سکتا۔ اور چونکہ ہمارے قانون کا منشا یہ ہے۔ کہ کسی مشتبہ یا مجرم شخص کا بیان یا طرفین میں سے کسی کی شہادت اس وقت تک نہ لی جائے۔ جب تک مقتول کے عزیز حاضر نہ ہوں۔ اس لئے حکّام تمہاری صحت کا انتظار کر رہے ہیں +

میرا اپنا بھی یہی خیال تھا۔ کہ علی ضرور اس معاملے میں شریک ہے اور مصطفےٰ کی بھی یہی رائے تھی۔ لیکن اس کا شبہ مجھ سے بھی زیادہ تھا۔ وہ کہنے لگا۔ کہ "علی اگرچہ میرا بھائی ہے۔ مگر ہر بات میں انصاف ہونا چاہئے۔ اور اگر وہ مجرم ہے۔ تو اُسے سزا ملنی چاہئے +

میں نے کہا بھائی میں نہ انصاف چاہتا ہوں نہ مجرموں کو سزا دلوانا۔ میرا مقصد یہ ہے۔ کیونکہ اس سے میرے پیارے تو ملنے سے رہے۔ میں سب مصیبتیں سہ لوں گا۔ مگر صرف اتنا معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ رشیدہ پر کیا گزری +

جب میں تندرست ہو گیا۔ تو قاضی سے ملنے گیا۔ اور میں نے اُس سے یہ اجازت مانگی۔ کہ مجھے علی سے علیحدہ گفتگو کر لینے دو۔ ممکن ہے۔ وہ میرے سامنے کچھ بیان کر دے قاضی صاحب نے اجازت دے دی۔ اور میں علی کے پاس گیا + ناز و نعمت میں پلا ہوا علی ایک تنگ و تار کلبۂ احزاں میں جو قبر سے بھی بدتر تھی۔ طوق و زنجیر میں جکڑا ہوا جنبش بھی نہ کر سکتا تھا۔ جس وقت میں گیا۔ تو دوپہر کا وقت تھا۔ اور باہر سورج بہت تیزی سے چمک رہا تھا۔ مگر اُس کوٹھری میں اس قدر اندھیرا تھا۔ کہ میں علی کا چہرہ بھی نہ دیکھ سکا۔ ہوا نہایت غلیظ تھی۔ اور دم گھٹ رہا تھا + اُس کا محافظ بھی اُس کے خلاف تھا۔ کمرے میں کبھی ذراسی روشنی بھی نہ ہونے دیتا۔ اور غذا بھی اچھی بہم نہ پہنچاتا +

اگرچہ ابھی تک علی پر فرد جُرم نہیں لگایا گیا تھا۔ لیکن قاضی صاحب کی یہی مرضی تھی۔ کہ جہاں تک ممکن ہو۔ علی پر قانون کی رُو سے بہت سختی کی جائے +

مسلمانوں کے مذہبی قانون کے موافق مقتول کے ورثا اور عزیزوں کو اختیار تھا۔ کہ قاتل کو معاف کر دیں یا اُس کے عوض میں دیت یا خوں بہا لے لیں۔ یا کچھ عرصہ کے لئے قید کرا دیں +

میرے جانے پر علی کے کمرے میں روشنی کا انتظام کر دیا گیا۔ اور چونکہ وہ میرا منتظر بیٹھا تھا۔ اس لئے اُسے میرے آنے کی اطلاع کر دی گئی + دو ہفتے حوالات میں رہنے کے باعث اُس کا چہرہ اس قدر بدل گیا تھا۔ کہ میں اُسے پہچان بھی نہ سکا۔ دل و دماغ کے مصائب تنہائی

کی قید۔ بُری غذا اور کمرے کی غلیظ ہوا نے اُس کی صحت پر نہایت بُرا اثر کیا تھا +

میں نے علی سے کہا" سنو بھائی میں تمہارے پاس اس لئے آیا ہوں۔ کہ مقدمہ دائر ہونے سے پہلے تم مجھے سارا حال بتا دو۔ اور میں قسم کھاتا ہوں۔ کہ قصاص چھوڑ دوں گا۔ کچھ معاوضہ نہیں لوں گا۔ اور تمہاری رہائی کے لئے بھی کوشش کروں گا لیکن شرط یہ ہے۔ کہ مجھے تم یہ بتا دو۔ کہ رشیدہ پر کیا گزری ؟

علی میری باتوں کو چُپ چاپ سُنتا رہا۔ اور صرف یہ جواب دیا" میں بالکل بے گناہ ہوں۔ اور میں اسے ثابت کر دوں گا" میں نے بہتیرا اصرار کیا۔ اور منتیں بھی کیں۔ مگر اُس نے ہر دفعہ صاف انکار ہی کیا +

میں نے قاضی صاحب سے آکر سارا حال بیان کیا۔ اور ان سے کہا کہ آپ بھی اس سے دریافت کر دیکھیں۔ قاضی صاحب نے بھی سمجھایا اور کہا۔ کہ اگر تم اقرار کر لو گے تو دیت لے کر تم کو چھوڑ دیا جائے گا۔ لیکن اگر کہیں عدالت میں مقدمہ دائر ہو گیا۔ تو پوری سزا بھگتنی پڑے گی" بہتیرا سمجھایا۔ مگر علی نے یہی جواب دیا۔ کہ میں بے قصور ہوں +

چند دنوں کے بعد مقدمہ عدالت میں قاضی صاحب کے روبرو پیش ہوا۔ مشرقی ملکوں میں ملزم پر سخت جرح کی جاتی ہے۔ تاکہ وہ اپنی بریت معقول دلائل سے ثابت کرے۔ علی سے عدالت میں سوال کیا گیا۔ کہ" تم واقعہ قتل سے ایک دن پہلے اور اُس رات کہاں تھے؟

اُس نے نہایت صاف اور واضح لفظوں میں جواب دیا کہ" میں گھر سے رخصت ہو کر قصبۂ لبان میں جو یہاں سے دو گھنٹہ کا راستہ ہے جا کر مفتی صاحب کے مکان پر ٹھہرا رہا سارا دن اور رات بھر رہا۔ اس عرصے میں مفتی صاحب کے مکان سے باہر نکلا اور اس وقوعہ کی خبر دوسرے دن مفتی کو ملی +

مفتی اور اُس کے بیٹے اور اَور لوگ گواہی کے لئے اُس قصبے میں سے طلب کئے گئے اور اُن تمام نے یہی کہا۔ کہ واردات کی رات علی لبان ہی میں تھے۔ مفتی کا بیان تھا۔ کہ میرے

مکان پر میرے بیٹے کی مجلس ختم قرآن تھی ۔ بہت سے درویش بھی بلائے گئے تھے ختم قرآن غروب ہونے کے وقت شروع ہوا اور تمام رات بلکہ دن چڑھے تک ہوتا رہا علی تمام رات میرے پاس بیٹھے رہے ۔ میرے ہی ساتھ انہوں نے کھانا کھایا ۔ اور تھک گئے ۔ تو جس تکئے کے پاس وہ بیٹھے تھے ۔ اُس کے سہارے سے لیٹ کر سو گئے + وہ پندرہ منٹ سے زیادہ کے لئے ہماری نظروں سے غائب نہیں ہوئے" +

اس پر علی صاف بری ہو گیا ۔ اور مجھے کہنے لگا ۔ کہ شاید تمہیں اب تک یقین نہیں ۔ اور یہی خیال ہے ۔ کہ میں ہی قاتل ہوں ۔ مگر وہ دن ضرور آئے گا ۔ کہ تمہیں حقیقت معلوم ہو جائیگی میں نے اس شبہ کے سبب سے سخت تکلیفیں اُٹھائی ہیں ۔ اور اب بھی اُٹھانے کو تیار ہوں ۔ اگر قاتل کا پتہ چل سکے" +

میرا خیال ہے ۔ کہ علی کو واردات کا بہت سا حال معلوم تھا ۔ اگرچہ وہ خود قاتل نہ تھا ۔ لیکن پھر بھی اُسے معلوم تھا ۔ کہ کون قاتل ہے ۔ مصطفےٰ کی بھی یہی رائے تھی +

اس کے بعد سرکار کی طرف سے بہتیری تحقیقات ہوئی ۔ مگر کچھ پتہ نہ چل سکا ۔ میرے لئے اب اطمینان مفقود تھا ۔ میں شہر شہر مارا مارا پھرا ۔ اور رشیدہ کو تلاش کرتا رہا ۔ مگر آہ وہ نہ ملی ۔ اور میری سب کوششیں رائگاں گئیں ۔ امید پر امید باندھی ۔ مگر کوئی پوری نہ ہوئی !

میرا دل بالکل ٹوٹ گیا ۔ ہجوم یاس کے عالم میں میں نے خدا سے دُعا مانگی ۔ کہ اب مجھے اس دنیا سے اُٹھا لے ۔ کیونکہ اس میں اب میرے لئے کوئی خوشی نہیں رہی +

میری زندگی کا عیش بالکل تلخ ہو چکا تھا میرے وہ عزیز جنہوں نے میرے زندگی کے باغ کو پُر بہار بنا دیا تھا ۔ دُنیا میں نہ رہے تھے ۔ اور آہ قسمت نے اُنہیں ایک ہی رات میں کیسے ظالمانہ طریق سے چھین لیا تھا ۔ صبح میں اپنی محبوبہ بیوی ۔ پیارے بچے اور بزرگ و شفیق ماں کو صحیح و سالم چھوڑ کر گیا تھا ۔ اور شام کو واپس گھر پہنچنے کی خوشی میں سارا دن کام کرتا رہا لیکن جب واپس آیا ۔ تو آہ ۔ نہ بچہ تھا ۔ نہ بیوی تھی ۔ نہ ماں تھی غرض گھر بھر کا صفایا ہو چکا تھا +

صبح میری خوشی کا پیمانہ لبریز تھا لیکن شام کو غم وحسرت نے میرے دل و دماغ پر تسلط کر لیا۔ میں بار بار یہ کہہ اُٹھتا تھا۔ کہ میں اب نہ جیوں گا۔ میرے جینے سے فائدہ ہی کیا ہے۔ مجھے اِن جانکاہ مصیبتوں سے موت ہی رہائی دلوائے گی مجھے اُن پیاروں سے ملوائے گی۔ اور ایسی جگہ پہنچائے گی۔ جہاں غم و الم کا نشان نہیں۔ اور جہاں آنسوؤں کو کوئی نہیں جانتا!

مصطفٰے نے بہت کوشش کی۔ کہ میرے غم کو دور کرے۔ مگر بے سود شیخ ابراہیم نے جس کے مکان پر میں ٹھہرا ہوا تھا (میں اپنے مکان کے نزدیک بھی نہ گیا تھا۔ مصطفٰے اپنے مکان لے جانا چاہتا۔ اور شیخ ابراہیم مجھے اپنے ساتھ رکھنا چاہتا تھا) میری دلجوئی و خدمت میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ مگر میرا غم کیا غلط ہوتا کبھی ٹوٹے ہوئے دل لفظوں سے جُڑتے ہیں۔

مدت تک میں نے رشیدہ کا سوگ کیا مجھے وہ دن یاد آتے رہے جب میں اور وہ اکٹھے بیٹھ کر باتیں کیا کرتے تھے۔ مجھے ہر روز اُس کے وہ علمی مباحث یاد آتے تھے۔ جو وہ رُوحانی زندگی اور اگلے جہان کی نسبت کیا کرتی تھی۔

میں نے رُوحانیات سے دل لگایا۔ تو اُس کا اثر خاطر خواہ ہوا۔ آیندہ کی شاندار اعلےٰ اور پاکیزہ زندگی کے خیال سے میرا غم رفتہ رفتہ کم ہونے لگا۔ اور میں اس خیال سے خوش رہنے لگا۔ کہ جب میں رُوحوں کی دنیا میں داخل ہوں گا۔ تو اپنی پیاری رشیدہ سے ملوں گا۔ اور وہاں پہنچ کر آیندہ زندگی کی اور بھی معلومات حاصل کروں گا۔ پھر میری سب پریشانیاں خواب فراموش ہو جائیں گی۔

میری نظروں میں دنیا کی تمام چیزیں۔ اور کائنات کی ساری موجودات فانی و بے حقیقت معلوم ہونے لگیں۔ اور میرے دل پر منکشف ہو گیا۔ کہ اس دنیا میں دل لگانے سے رنج و غم کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ جتنا ان خیالات کا سلسلہ بڑھتا گیا۔ اُتنا ہی یہ خیال میرے دل میں راسخ ہوتا گیا۔ کہ تمام دنیاوی تعلقات سے الگ ہو کر اس حقیقی و غیر فانی علم کو سیکھنا چاہیئے جس سے رُوح اپنا ارفع و اعلےٰ مقام حاصل کرے۔

اس ارادے کو پُورا کرنے کے لئے میں نے سوچا۔ کہ میں اس مصروف دنیاوی زندگی

کو یک قلم ترک کر کے خلوت نشین ہو جاؤں۔ اور نہایت سخت قوانین کی پابندی کروں۔
بس یہی ایک طریقہ ہے جس سے میں دُنیا اور دُنیا کے رہنے والوں سے علیحدہ ہو سکتا ہوں*
میں نے ارادہ کیا۔ کہ خلوتِ رُوحانی میں جہاں شائقین علوم رُوحانی دُنیا سے الگ رہ کر ریاضت کرتے ہیں۔ شریک ہو جاؤں۔ اور دُنیا والوں سے پوشیدہ ہو کر تحصیل علم کروں۔ عبادت کروں۔ اور رُوحانیات میں دستگاہ بہم پہنچاؤں*

مصطفٰے نے بہت کوشش کی۔ کہ مجھے اس ارادے سے باز رکھے۔ کیونکہ اُسے میرے دل کی اندرونی کیفیت پُوری طرح معلوم نہ تھی۔ اُس کا خیال تھا۔ کہ صرف رشیدہ کی خاطر میں ساری دُنیا سے قطع تعلق کیوں کروں* آخر میں نے قاضی صاحب کے پاس جاکر استعفاد اخل کر دیا۔ اور کہا۔ کہ میں مدرسی نہیں کر سکتا۔ قاضی صاحب نے مجھے بہت سمجھایا۔ لیکن میرے اصرار پر آخر بہت بے دلی سے منظور کیا*

جب میں مدرسے کے طالب علموں اور اپنے دوستوں سے رُخصت ہونے لگا۔ تو وہ نظارہ نہایت رقّت انگیز تھا۔ کیونکہ سالہا سال سے وہ میرے واقف تھے۔ اور بعض تو میرے بچپن کے دوست تھے۔ اس بات کا کسی کو خیال بھی نہ تھا۔ کہ ہم کبھی جُدا ہوں گے۔ اور پھر ایسی دردناک حالت میں کہ دوبارہ ملنا محال نظر آئے۔ مگر مرضی مولےٰ از ہمہ اولےٰ۔ سب مجھ سے لپٹ لپٹ کر رو رہے تھے۔ اور میں اُن سب کے رنج و غم سے بے حد متاثر ہو رہا تھا*

مصطفٰے نے میرے تمام کام سنبھال لئے۔ اور مکانات کے کرائے وصُول کرنے کیلئے اُس نے ایک نوکر رکھا۔ جو کرایہ وصُول کر کے خلوت میں میرے شیخ کے پاس بھیج دیتا تھا*

ولید چھوڑنے سے پہلے میں پھر ایک دفعہ اپنے مکان پر گیا۔ کیونکہ اُس خوفناک رات کے بعد میں پھر وہاں نہ گیا تھا* میں گھر کے اندر تو نہ گیا۔ کیونکہ عہد گزشتہ کی خوفناک یاد سے مجھے سخت وحشت ہوتی تھی۔ لیکن باغ میں تھوڑی دیر تک اکیلا بنچ پر بیٹھا رہا۔ یہ وہ بنچ تھا۔ جس پر میں اپنی پیاری رشیدہ کے ساتھ بیٹھا کرتا تھا*

گزشتہ حیات عیش کا نقشہ میرے آنکھوں کے سامنے آگیا۔ اُس وقت کی یاس ونامرادی کا احساس دل میں چٹکیاں لینے لگا۔ اور ایک نامعلوم مستقبل کا خیال سوہانِ رُوح ہونے لگا۔ مگر میری قسمت میں یہی لکھا تھا الحمد للہ علیٰ کل حال کہ کر خاموش ہوگیا۔

مصطفٰے خلوت تک میرے ساتھ ساتھ گیا۔ اور ولید سے خلوت تک دس میل کا راستہ طے کر کے ہم خلوت کے دروازے پر ایک دوسرے سے جُدا ہوئے مصطفٰے کو اُس وقت نہایت غم ہوا۔ اور جب دروازہ بند ہوگیا۔ تو میں نے باہر اُس کے رونے کی آواز سُنی۔

بابِ ہفتم

خلوت

یہ خلوت طرابلس کے اس سلسلۂ کہسار میں واقع تھی۔ جو صحرائے اعظم افریقہ اور طرابلس کے درمیان حدفاصل ہے۔ اور جہاں انسانی آبادی اور زندگی کی تازگی و شگفتگی کا نام ونشان تک نہیں۔ دامنِ کوہ میں جہاں دونو پہاڑوں کو ایک تنگ سا راستہ جُدا کرتا تھا۔ وہاں یہ خلوت واقع تھی۔ اُس کا راستہ ایک نہایت ناہموار و دشوار گزار کھوہ میں سے ہو کر جاتا تھا۔ دونو طرف اونچی اونچی مہیب چٹانیں اور چکنے پھسلنے پتھر سربفلک کھڑے تھے۔ اِن چٹانوں میں سنگ سُرخ لگا ہوا تھا جس میں نیلے رنگ کی دھاریاں تھیں۔

وہ چٹانیں ریگستان کے آفتاب سوزاں کی روشنی میں اس طرح چمکتی تھیں۔ کہ دُور سے شعلے اُٹھتے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ اور ان کے گرد دھواں لپٹا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ بڑے بڑے جن وادی کی حفاظت کے لئے پہرے پر کھڑے ہیں۔ ان چٹانوں کو تمازتِ آفتاب کی شدت کے باعث وادیٔ لاطون (بھٹی کا میدان) کہتے تھے۔

اس وادی میں سوائے بادِ سموم کے گرم اور زہریلے جھونکوں کے تازہ اور اچھی ہوا کا

نام و نشان تک نہ تھا۔ ہوا نہایت کثیف تھی۔ اور وہاں دم لینا بھی مشکل تھا۔ رات کو ہوا کم چلتی تھی۔ اِس لئے اور بھی دم گھٹتا تھا۔ چاروں طرف ایسی محیط خاموشی طاری تھی کہ چرند و پرند کی آواز تک نہ آتی تھی۔ ہاں کبھی کبھی جنگلی چھپکلی کی چیخ سنائی دیتی تھی۔ غرض وہ مقام ویسا ہی سنسان اور ویران معلوم ہوتا تھا جس کے اہل خلوت متلاشی رہتے ہیں۔ تمام چٹانیں برہنہ تھیں۔ نباتات۔ درخت۔ انسان۔ چرند پرند نام کو نہ تھے۔ ہاں زہریلے سانپ کثرت سے دوڑتے پھرتے تھے +

غم اور خوشی سے بھری ہوئی دُنیا سے یہ مقام بالکل الگ تھا۔ یہ جگہ بالکل ویراں اور اُن مغموم شکستہ دلوں کی طبیعت کے لئے نہایت موزوں تھی۔ جو اپنی زندگی کو بالکل کالعدم بنانا اور اپنے گھربار۔ احباب و اعزہ۔ غم و مسرت امید و بیم کو اسی خلوت کے غاروں میں دفن کرنا چاہتے تھے۔ ان کا دلی مقصد یہ تھا۔ کہ اس دُنیا کی زندگی کو چھوڑ کر آیندہ زندگی کے لئے کام کریں۔ اپنی طبیعت کے جوش اور خواہشات و جذبات کو مُردہ کر کے اپنی روح اور اپنے ضمیر کو اُن پر حاکم بناویں +

وہ جگہ ایسے لوگوں کے لئے تھی جن کو نہ دن کو آرام تھا۔ نہ رات کو چین جنھوں نے روزے رکھ رکھ کر راتیں جاگ جاگ کر اور سخت ریاضت کر کے اپنے جسم کو سردی گرمی۔ بھوک پیاس سے مستغنی کر لیا تھا۔ اور صوفی اولیاء اللہ کی طرح دُنیا کے تمام تعلقات کو چھوڑ چکے تھے۔ تاکہ اپنے دلی مقصد یعنی علم ارواح کو حاصل کریں۔ دُنیا پر عقبےٰ کو اور ازل پر ابد کو ترجیح دیں اور اس اعلیٰ و مستتر علم غیب کو حاصل کریں۔ جو خاص خاص مقربین بارگاہ خداوندی کا حصّہ ہوتا ہے +

خلوت میں چودہ علیحدہ علیحدہ غار تھے۔ اِن میں سب سے بڑے غار کو جامع مسجد کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ اُس کے پاس دو مینار سے بنے ہوئے تھے۔ ایک میں شیخ خلوت رہتا تھا۔ اور دوسرے میں امام مسجد۔ یہ تینوں ایک طرف تھے۔ اور اُن کے سامنے

گیارہ غار پہلو بہ پہلو واقع تھے۔ ایک دوسرے کے درمیان سات سات فٹ اُونچی دیواریں حائل تھیں۔ تاکہ ایک غار کا رہنے والا دوسرے کی آواز نہ سن سکے۔ یہ دیواریں مسجد کے رُخ بنی ہوئی تھیں۔ ہر غار کی لمبائی بارہ فٹ چوڑائی چھ فٹ۔ اور اُونچائی اتنی تھی۔ کہ آدمی بمشکل کھڑا ہو سکے۔ ہر ایک غار میں دو دو کالے کمبل تھے۔ ایک اوڑھنے کے لئے۔ اور ایک بچھانے کے لئے۔ اس کے علاوہ ایک مٹی کی ہنڈیا۔ ایک پیالہ اور ایک صراحی تھی۔ ہر صبح خادم اس صراحی میں چشمے سے پانی بھر کر لایا کرتا تھا۔

کھانے کے وقت خادم صرف چند کھجوریں اور ایک پتلی سی چپاتی غار میں رکھ جاتا تھا۔ اور کبھی زیتون کا تیل یا اُبلی ہوئی سبزی بھی ملتی تھی۔ جب میں خلوت میں داخل ہوا تو علاوہ خادم و شیخ خلوت کے سات اور آدمی تھے۔ گویا میرے سمیت کُل دس آدمی اس ویران مقام میں مقیم تھے۔ دو سال تک مجھے مرید رکھا تھا۔ اور اگر اس حالت میں مستقل اور ثابت قدم رہوں۔ اور آئندہ رہنے کے لئے میلان ظاہر کروں۔ تو مجھے اجازت دعوت ملنی تھی۔ اس کے بعد مجھے پانچ سال تک عبادت و ظیفہ کی خاص تعلیم ملنی تھی۔ تاکہ میں عالمِ ارواح کے اسرار کو سمجھنے اور اُن کا متحمّل ہونے کے قابل ہو جاؤں۔

شروع شروع میں مجھے اپنی یہ نئی زندگی اور اس کے تجربات سخت تکلیف دہ معلوم ہوئے بعض اوقات میرے خیالات کو رجعت ہوتی۔ اور جس دُنیا سے کنارہ کش ہو کر میں وہاں آیا تھا۔ اُس کی زندگی کی طرف پھر مائل ہو جاتا۔ لیکن یہ وساوس رفتہ رفتہ کافور ہو گئے اور میں نہایت استقلال و پامردی سے اس نئی زندگی میں داخل ہوا۔ دن رات ورد وظیفہ میں مصروف رہتا۔ اور خلوت کے قواعد کی سخت پابندی کرتا۔ سوائے شیخ خلوت اور خادم کے میں نے کبھی کسی دوسرے ساتھی تک کی بھی شکل نہ دیکھی تھی۔ فجر۔ ظہر۔ عصر۔ مغرب اور عشا پانچوں وقت ہم مسجد میں نماز کے لئے جمع ہوتے اور آدھی رات کے علم ارواح پر شیخ خلوت کی تقریر سُننے کے لئے یکجا ہوتے۔ مگر ہمیشہ سر جھکائے اور چہرے پر نقاب ڈالے

بیٹھے رہتے تھے۔ اور سوائے السّلام علیکم کے کبھی کچھ بولتے چالتے نہ تھے جب نماز ختم ہو چکتی۔ تو میں غار میں آکر وظیفہ پڑھتا۔ اور اُس کے بعد شیخ کی گزشتہ تقریر کے مطالب پر غور کرنے لگتا۔ یہاں تک کہ دوسری اذان ہو جاتی۔ جب عشا کی نماز ہو چکتی۔ تو میں اپنی کوٹھری میں واپس آتا۔ اور شیخ اُس وقت آکر اپنی تقریر کا مضمون مجھے سمجھا جاتا۔ اس کے بعد میں خدائے تعالیٰ کے ننانوے نام لے کر تھوڑی دیر آرام کے لئے لیٹ جاتا۔ تاکہ آدھی رات تک شیخ کی تقریر سُننے کے لئے تیار ہو جاؤں ۔

میں نے روزے زیادہ رکھنے شروع کر دئے۔ تاکہ میرا جسم اور بھی میرا مطیع ہو جائے۔ میں نے گھنٹوں کھانا کھانے سے بالکل انکار کر دیا۔ میری نیند بالکل بدخوابی تھی۔ شیاطین بہت دفعہ مجھے بہکاتے۔ اور یہ ارادہ میرے دل میں ڈالتے تھے۔ کہ میں پھر دُنیا کے تعلقات میں پھنس جاؤں۔ اگرچہ وہ شیاطین مجھے دکھائی تو نہ دیتے تھے۔ مگر اُن کی آوازیں مجھے سُنائی دیتی تھیں جن سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ وہ مجھ سے نفرت و مذاق کرتے تھے ۔

میں جسمانی و رُوحانی تکالیف سے بالکل مُردہ ہو گیا۔ مگر آخر کار رُوح جسم پر غالب آگئی۔ اور جسم شہنشاہ ضمیر کے آگے سر بسجود ہو گیا ۔

خلوت میں ایک معمُولی بات تھی۔ کہ بعض مُرید اس زمانہ تحصیل علم رُوحانی میں تکالیف اُٹھا اُٹھا کر اور ریاضتِ شاقّہ کے متحمّل نہ ہو کر مر جاتے اور آرام جاودانی پاتے تھے۔ میرے پہلے دو سالوں میں دو دفعہ اور اُس کے بعد کئی دفعہ خادم نے مجھے بلایا۔ کہ آئیے اور فلاں بھائی کے جنازے میں شریک ہو جئے۔ کہ اس کا رشتۂ عمر جسمانی ریاضت اور جسمانی کشمکش کے باعث منقطع ہو گیا۔ اور وہ اُس امن و سکون کے مقام پر بلا لیا گیا ہے۔ جہاں بغیر کسی جسمانی درد و الم کے اُسے آیندہ زندگی کا علم کامل طور پر حاصل ہو جائے گا جس کی تلاش میں اُس نے جان دے دی ہے ۔

ہم ایک تنگ راستے میں سے خلوت کے قبرستان میں اُس کا جنازہ لے جاتے تھے۔

وہاں بہت سی بے کتبہ قبریں اُن لوگوں کی یاد دلاتی تھیں۔ جو ایسی مریدی کی حالت میں انتقال کر گئے تھے +

جنازہ رات کو اندھیرے میں اُٹھایا جاتا تھا۔ کیونکہ تمام خلوت ہیں مسجد کے سوا اَور کہیں روشنی نہیں کی جاتی تھی۔ اندھیرے میں قبر کھودی جاتی تھی۔ اور عشا کی نماز کے بعد مُردہ دفن کیا جاتا تھا + رات کی تاریکی میں اس طرح چُپ چاپ اس سنسان مقام پر جنازے کا آنا اور خاموشی سے دفن کیا جانا ایسا مؤثر سماں تھا۔ کہ انسانی زندگی کی ناپائداری اور ذات الٰہی کی بقا کا نقش دلوں پر ثبت ہو جاتا تھا +

جب میرے پہلے دو سال گزر گئے۔ تو مجھے حلقے میں داخل کر لیا گیا۔ اور میں اُن اسرارِ مخفیہ اور قوتِ پوشیدہ کا رازدار بَن گیا۔ آخر چوتھے سال کے اخیر میں مجھے اسم اعظم بتایا گیا۔ تاکہ میں رفتہ رفتہ علم رُوحانی کے اسرار اور اُس کی طاقتوں کو پُوری طرح حاصل کر سکوں +

ایک سال تک میں خلوت میں اَور رہا۔ اور اُس کے بعد مجھے ہدایت ہوئی۔ کہ میں ملک شام میں جا کر اپنا علم بڑھاؤں + یہ اکثر ہوتا تھا۔ کہ خلوت نشینوں میں سے بعض کو پھر دُنیا میں داخل ہونے اور اپنی معلومات بڑھانے کا موقع دیا جائے +

اگرچہ اس قدر عرصے کے بعد مصطفےٰ کو خط لکھنا ایک عجیب بات تھی۔ کیونکہ ہم دونوں کو ایک دُوسرے کے جیتے مرنے کی کوئی خبر نہ تھی۔ لیکن میں نے اُسے خط لکھا۔ کہ میرے تمام مال و اسباب کا بندوبست کر کے وہ مجھے بندرگاہ پر ملے کیونکہ میں اپنے گھر واپس جانا نہ چاہتا تھا + میری امید کے خلاف مصطفےٰ بہت جلد آیا۔ اور مجھے شام کو ایک جہاز پر ملا + میں اُسے پہلی نظر پہچان نہ سکا۔ کیونکہ وہ بہت بوڑھا معلُوم ہوتا تھا۔ اور کہولت و پیری کے اثرات سے اُس کے چہرے کی کھال سخت ہو گئی تھی۔ اور اُس پر جُھریاں پڑی ہوئی تھیں +

کچھ عرصہ گُزرا ہے۔ کہ میں یہاں آکر مُقیم ہوا ہوں۔ مصطفےٰ مجھے کرایہ وغیرہ جمع کر کے بھیج دیتا ہے اُس کا کچھ حصہ میں اپنی ضروریات پر صرف کرتا ہوں۔ اور باقی محتاجوں کو خیرات کر دیتا ہوں +

شیخ حسن کا یہ قصہ بہت عجیب و غریب تھا۔ اب مجھے معلوم ہوا۔ کہ شیخ اس قدر اُداس کیوں رہتا ہے۔ اور اُس کے چہرے سے ہر وقت غمگینی کے آثار کیوں ہویدا رہتے ہیں۔ میں نے یہ بھی محسوس کیا۔ کہ خواہ اس سے کتنے ہی اچھے لفظوں میں اظہار ہمدردی کیا جائے اس کا رنج و غم دُور نہیں ہو سکتا۔ جب میں اُس سے رخصت ہونے لگا۔ تو شیخ حسن کہنے لگا۔ کہ میں نے گزشتہ باتوں کے بھول جانے کی بہت کوشش کی۔ اور مدت ہوئی۔ کہ میں نے اُس شخص کو جسنے مجھے یہ رنج پہنچایا (خواہ وہ کوئی ہو) معاف کر دیا ہے۔ اب میری تمام امیدوں کا سہارا صرف یہی ایک علم رُوحانی ہے۔ کاش دُنیا کے سب لوگ اِس دائمی اور خوش گوار زندگی کی خواہش کریں مگر افسوس دُنیا کے لوگ صرف انہی باتوں کو مدعاے زندگی سمجھتے ہیں۔ کہ اپنے جذبات اور اپنی خواہشات کو بڑھائیں۔ انہیں پُورا کرنے کی کوشش کریں۔ عُمدہ کھانے کھائیں۔ اچھے کپڑے پہنیں۔ اور یہی باتیں ہیں جن سے اُن کی تمام امیدیں وابستہ ہوتی ہیں۔ ان کے لئے صرف اُن کا جسم ہی ایک ایسی چیز ہے۔ جو زندہ ہے۔ گویا اُن کے نزدیک موجودہ زندگی کے سوا اَور کوئی زندگی ہی نہیں۔ اور وہ اس چھوٹی ناچیز زندگی کے علاوہ اس سے اعلےٰ تر زندگی چاہتے ہی نہیں۔ وہ لوگ اِس امر پر غور کرتا۔ کہ عمر انسانی روزانہ گھٹتی ہے۔ اپنی کسر شان ہی نہیں سمجھتے۔ بلکہ اس حقیقت کو بیہودہ۔ واہیات اور بے موقع خیال کرتے ہیں +

ایک بزرگ کا قول ہے۔ کہ لوگ اپنے بڑوں کی قبروں کے پاس سے گزر جاتے ہیں۔ مگر اُن کے دلوں میں یہ خیال تک نہیں آتا۔ کہ ہم بھی مریں گے۔ شاید اُنہیں یہ یقین ہے۔ کہ مرنے کے لئے اَور لوگ بنائے گئے ہیں۔ اور وہ خود ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ انہیں رُوحانی زندگی کا خیال تک نہیں اور یہ یاد ہی نہیں۔ کہ یہ جسم جو وقت اور جگہ کا پابند ہے۔ ایک دن فنا ہونے والا ہے۔ اور رُوح اُس میں ہمیشہ مقید نہیں رہے گی +

ایک وقت ایسا آئے گا۔ کہ جسم کی زندگی اور اُس کی نشو و نما بند ہو جائے گی۔ لیکن رُوح

کے لئے کوئی حدو انتہا نہیں۔ رُوح زندۂ جاوید ہے۔ اُس کی زندگی جسم کے ساتھ ہی ختم نہیں ہو جاتی + بلکہ روح تو جسم میں ایک قیدی کی حیثیت سے رہتی ہے۔ اُس کی آرزوؤں کی بلندی اس کی وسعت اور اُس کی سرگرم زندگی اُس وقت شروع ہوتی ہے جب جسم مرجاتا ہے + اگر اس جسم کو بھی رُوحانی جسم بنانے کی کوشش کی جائے۔ تو جس وقت رُوح و قالب پھر اکٹھے ہوں گے۔ اُس وقت ایک نہایت عُمدہ رُوحانی جسم تیار ہوگا جو اُس خوشگوار اعلٰے و ارفع اور جاودانی زندگی کا لُطف اُٹھانے کے قابل ہو جائے گا۔ یہ مرتبہ خدا کی لامحدود صفات کے متواتر وِرد و وظیفے اور اُس کے حُسن وجمال کو سمجھنے کی کوشش کرنے سے حاصل ہو سکتا ہے +

انسان اور دیگر افضل مخلوق کی یہ آیندہ زندگی حضور باری تعالیٰ میں ہوگی جس نور سے سب پیدا ہوئے ہیں۔ اور جس میں سب کے سب پھر جا ملیں گے +

باب ہشتم

حاضرات

اس کے بعد جب میں شیخ حسن کے پاس گیا۔ تو وہ کہنے لگا۔ کہ میں نے آج سے دو دن بعد یعنی پیر کی رات کو عمل حاضرات کرنے کا انتظام کیا ہے۔ کیونکہ منگل اور جمعرات کی راتیں ہی ایسی ہیں جن میں ہم جنات وغیرہ سے ملاقات کرسکتے ہیں۔ ہم سُورج غروب ہونے سے چار گھنٹے بعد عمل شروع کریں گے۔ لیکن یہاں سے سُورج غروب ہونے سے ایک گھنٹہ پہلے روانہ ہوں گے۔ تاکہ کھنڈروں کے پہاڑ پر آسانی سے بروقت پہنچ جائیں اور اپنا کام شروع کرنے سے پہلے آرام کرلیں۔ تم خوشبو وغیرہ کا سامان سنبھالے رہنا۔ کیونکہ اس چیز کی بہت ضرورت پڑے گی +

جب ہم جنات کو طلب کرتے ہیں۔ تو ہمیں مختلف حالتیں اختیار کرنی پڑتی ہیں۔

اور اگرچہ ہم اپنے علم کے بل پر یہ کام کرتے ہیں۔ اور اُن ارواح کو مجبوراً ہماری طاقت ماننی پڑتی ہے۔ لیکن پھر بھی ہمیں یہ ظاہر کرنا لازم ہے۔ کہ ہم اُن کے افعال میں بالکل دخل نہیں دیتے۔ بلکہ اُن کی عزت و توقیر کرتے ہیں + ہم یہ بھی جانتے ہیں۔ کہ وہ اپنے افعال کے لئے خدا کے سامنے جواب دہ ہوں گے لیکن خواہ وہ اُلٹے راستے پر ہی چلیں۔ ہمیں اُن کی عزت ہی کرنی پڑتی ہے +

خوشبو دو طرح چڑھائی جاتی ہے۔ یا تو اُسے آگ پر جلایا جاتا ہے۔ یا پانی میں گھول کر چھڑکتے ہیں + جب آگ پر خوشبو جلانی ہو۔ تو ضروری ہے۔ کہ عمل حاضرات کے شروع سے آخر تک آگ برابر روشن رہے۔ اور اگر پانی میں ملا کر چھڑکنا ہو۔ تو یہ عمل تین دفعہ کرنا پڑتا ہے اول بشروع عمل میں۔ اور دو مرتبہ اخیر میں +

تم بہت احتیاط سے آگ پر خوشبو ڈالتے رہنا۔ لیکن خبردار جو کوئی بھی تمہارے سامنے نظر آئے اُس سے بات چیت نہ کر بیٹھنا خواہ وہ تمہیں کتنا ہی ڈرائیں دھمکائیں۔ منتیں کریں تمہیں غصے یا رحم کی طرف مائل کرنے کے لئے کیسے ہی نظارے دکھائیں۔ تم ذرا اشارہ تک نہ کرنا۔ اور بالکل خاموش پتھر بنے بیٹھے رہنا + اب میں مقررہ وقت سے پہلے تمہیں بالکل نہیں مل سکتا۔ کیونکہ میں علیحدہ بیٹھ کر نماز و وظیفہ وغیرہ پڑھوں گا +

پیر کے دن شام کو جب میں شیخ حسن کے مکان پر گیا۔ تو وہ میرے استقبال کو باہر آیا۔ میں نے دیکھا۔ کہ اُس کا چہرہ دو ہی دن میں بالکل بدل گیا تھا۔ ماتھے کی لکیریں اور بھی گہری ہو گئی تھیں۔ آنکھیں اندر کو گھس گئی تھیں۔ مگر معمول سے زیادہ چمکدار اور سرخ نظر آتی تھیں۔ چہرے اور ابروؤں کی حرکات بھی نہایت عجیب تھیں۔ جن سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ اُسے بڑی سخت رُوحانی کشمکش پیش آچکی ہے +

شیخ حسن اُس وقت بالکل تیار تھا۔ ایک چھوٹی سی گٹھڑی میں کچھ پتلی پتلی چپاتیاں اور کچھ زیتون کے پھل تھے۔ بس یہی ہمارے لئے رات اور دن کا کھانا تھا۔ پانی کے لئے

ایک چھوٹی سی صراحی تھی جس میں ایک زنجیر بندھی تھی۔ کہ پینے کے لئے کنوئیں سے پانی نکال سکیں۔ شیخ کہتا تھا۔ کہ ان کھنڈروں کے پاس ایک کنواں بھی ہے +

شیخ نے مجھے ایک چھوٹی سی تھیلی دے کر کہا۔ کہ جن جن خوشبودار چیزوں کی ہمیں آج ضرورت ہوگی۔ وہ سب چیزیں اس میں بندھی ہیں۔ یہ ایک قسم کا گوند ہے۔ یہ جنگلی باداموں سے حاصل ہوتا ہے۔ اور زیتون کے درخت کے گوند یا کسی اور نرم گوند میں ملا لیا جاتا ہے۔ یہ تین اجزا ایسے ہیں۔ جو ہماری اکثر مذہبی رسوم میں اکثر استعمال کئے جاتے ہیں اور ان کی خوشبو بالکل بے ضرر ہوتی ہے۔ چھوٹی انگیٹھی میں کچھ کوئلے ہیں۔ یہ آج کی رات کے لئے کافی ہوں گے۔ ذرا خوشبو اور کوئلوں کو حفاظت سے رکھنا۔ کیونکہ اُنکے بغیر ہم کچھ نہیں کرسکتے +

ان مشرقی ممالک میں جب خزاں کا موسم آتا ہے۔ تو شام بہت سہانی ہوتی ہے چنانچہ اس کی شام بھی بہت خوشگوار تھی۔ پہلے ہم بہت خوش منظر گھاٹیوں میں سے گزرے جن میں باغ اور درخت کثرت سے تھے۔ ان سے گزر چکے تو ایک ویران قطعہ نظر آیا جہاں سے شام کا ریگستان شروع ہوتا تھا۔ اور جس میں شہر پلمائرا کے کھنڈر اب تک موجود ہیں۔ اس جگہ مستقل آبادی بالکل نہیں۔ ہاں خانہ بدوش بدو کبھی کبھی خیمے آلگاتے ہیں جب ہم زرخیز وادیوں سے گزر گئے تو اس کے بعد ہمیں کوئی آدمی نہ ملا۔ تھوڑی دیر میں سورج غروب ہوگیا۔ اور رات کا اندھیرا چھا گیا +

چاند کی چھٹی یا ساتویں تاریخ تھی۔ اس لئے راستہ نظر آنے کے لئے روشنی کافی تھی۔ وہ ساری زمین غیر آباد اور بنجر پڑی تھی۔ اور کسی طرف سے کوئی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ ہاں کبھی کبھی شام کے گیدڑ کی چیخیں یا خوفناک صحرائی اُلّو کی غمناک ہوک اس سکوت کو توڑتی تھی +

جوں جوں رات ہوتی جاتی تھی میں ناتوانی سی محسوس کرتا تھا۔ میں ڈرتا تو نہ تھا۔ مگر چونکہ اس معاملے میں مجھے پہلی ہی دفعہ آنے کا اتفاق ہوا تھا۔ اس لئے کبھی کبھی مجھے ایک ایسا لرزہ محسوس ہوتا تھا جسے میں روک نہ سکتا تھا۔ میں نے چاہا کہ شیخ حسن سے باتیں کرتا جاؤں۔ مگر وہ اپنے خیالات میں اس قدر محو تھا۔ کہ جواب بھی نہ دیتا تھا۔ اور اگر بولتا بھی تھا۔ تو ہوں ہاں میں ٹال دیتا +

اسی طرح ہم غروب آفتاب سے دو گھنٹے بعد منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ وہ پہاڑی جس پر کھنڈرواقع تھے۔ میدان سے کوئی دوسو فٹ اونچی ہوگی۔ یہ پہاڑی کوئی چوتھائی میل لمبی تھی۔ اور اس کی چوٹی کے اوپر بالکل ہموار جگہ بنی ہوئی تھی۔ وہ کھنڈروں کا مجموعہ ایک بہت بڑی قبر کی طرح نظر آتا تھا جس کا طول ڈیڑھ سو گز اور عرض پچاس گز کے قریب تھا۔ یہ کھنڈر بالکل برہنہ تھے۔ ان پر درختوں اور جھاڑوں کا نام ونشان تک نہ تھا۔ صرف کچھ بڑے بڑے ٹوٹے ہوئے سنگین ستون پرانے زمانے کی عمارت کی یادگار باقی رہ گئے تھے ✤

شیخ اور میں پہاڑی کے نیچے کنوئیں سے تھوڑے فاصلے پر بیٹھ گئے۔ اور کچھ دیر آرام کر کے کھانا کھایا۔ کنوئیں سے سرد وشیریں پانی پیا۔ شیخ حسن نے نماز پڑھ کر کوئلے دہکائے۔ تاکہ بوقت ضرورت آگ مل سکے۔ اور زہریلے اژدہے اس میں سے نکل جائیں ✤

چاند غروب ہو چکا تھا۔ اور غروب آفتاب کے بعد چار گھنٹے گزر گئے تھے۔ چاروں طرف محیط تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ شیخ حسن نے ایک دفعہ پھر کہا۔ کہ اب میں شروع کرتا ہوں تم نہایت احتیاط سے خوشبو ڈالتے رہنا۔ اور خبردار کسی چیز سے نہ ڈرنا ✤

میں شیخ حسن سے چند قدم دور ٹیلے کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھ گیا۔ مجھے کوئلوں کی روشنی میں شیخ حسن کا چہرہ صاف دکھائی دیتا تھا۔ اور میدان بھی اچھی طرح نظر آتا تھا ✤

شیخ حسن نے مجھے خوشبو جلانے کا اشارہ کیا۔ پھر آپ اٹھ کھڑا ہوا۔ اور جنوب کی طرف چند قدم چل کر ٹھہر گیا۔ پھر کچھ افسون دھیمی آواز سے پڑھا جسے میں اچھی طرح سن تو سکتا تھا۔ مگر سمجھ نہ سکتا تھا۔ پھر واپس آ کر بیٹھ گیا۔ اور اسی طرح آہستہ آہستہ پڑھتا رہا۔ پھر اٹھ کر مشرق کی طرف گیا۔ اور واپس آیا۔ پھر شمال کی طرف گیا اور واپس آیا۔ پھر مغرب کی طرف گیا۔ اور واپس آ کر بیٹھ گیا ✤ پہلے تو مجھے اس کی ان حرکتوں سے بہت وحشت ہوئی۔ اور مجھے خیال آیا۔ کہ خدا جانے اب کیا ہونے والا ہے۔ مگر جب شیخ کے پڑھنے سے کچھ بھی ظہور میں نہ آیا۔ تو میری ہمت بندھ گئی ✤

شیخ حسن اسی طرح ایک گھنٹہ بھر کرتا رہا۔ اتنے میں دفعتہً زمین پر ایک روشنی کی کو سیدھی دائیں

سے بائیں طرف اُٹھی۔ یہ لَو کوئی تیس فٹ اُونچی اور پچاس فٹ کے قریب چوڑی ہوگی۔ اس میں سے سب چیزیں دکھائی دیتی تھیں۔ اور چونکہ اس سے پہلے بالکل اندھیرا تھا۔ اور اَب روشنی ہوگئی تھی۔ اس لیئے وہ اندھیرا اَور بھی زیادہ تاریک نظر آتا تھا +

شیخ حسن روشنی دیکھ کر فوراً اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور روشنی کی طرف ہاتھ اُٹھا کر کچھ ایسے نام لے کر پکارنے لگا جنہیں میں نہ سمجھ سکا۔ صرف اس قدر سمجھا۔ کہ "اب حاضر ہو جاؤ" یہ کہہ کر وہ بیٹھ گیا۔ اور پھر پڑھنے لگا + چند لمحہ بعد میں نے ایک گڑگڑاہٹ سُنی۔ جو بہت زور کی نہ تھی۔ مگر صاف تھی۔ پھر مجھے یہ محسوس ہوا۔ کہ کوئی شخص میرے سر پر پتھر مار رہا ہے۔ دفعتہً کوئی چیز دھڑام سے میرے سر پر آن کر پڑی۔ پھر میرے گھٹنے کو چوٹ لگی۔ سر اُٹھا کر جو دیکھتا ہوں۔ تو ایک ہڈی تھی۔ ایک ہڈی اَور گری۔ پھر تو ہڈیوں کا مینہ برسنا شروع ہو گیا۔ ہڈیاں کھٹا کھٹ زمین پر گر رہی تھیں۔ لمبی پتلی۔ گول غرض ہر قسم کی ہڈیاں برسیں۔ اور ہڈیوں کے بعد کھوپریاں گرنی شروع ہوئیں +

اتنے میں ہی ایک خون آلودہ سر میرے پاس آ کر گرا۔ میرے ہاتھ پر اُس کا گرم گرم خون بھی لگا۔ پھر یہ سر غائب ہو گیا۔ پھر مجھے محسوس ہوا۔ کہ کوئی چیز میری گردن پر سرسرا رہی ہے۔ دیکھتا ہوں تو ایک سانپ میری گردن سے لپٹا ہوا ہے۔ جو بل پر بل ڈالے چلا جاتا ہے۔ میرا گلا گھُٹنے لگا۔ تو اُس نے بل کھولنے شروع کر دئے۔ اور میرے چہرے کے قریب اپنا مُنہ لایا۔ اور زبان نکال کر پھُنکاریں مارتا ہوا میرے ہونٹوں پر جھپٹا + اگرچہ میں بالکل خوف زدہ تھا۔ اور ہمیشہ سے ہی میرا یہ حال تھا۔ کہ سانپ دیکھا۔ اور خون خشک ہوا لیکن میں نے اپنا دل کڑا کیا۔ اپنی جگہ سے ذرا جنبش تک نہ کی۔ اور خوشبو برابر آگ پر ڈالتا رہا + پھر تو یہ معلوم ہونے لگا۔ کہ ہر طرف ہر قسم اور ہر جسامت کے سانپ ہی سانپ لہرا رہے ہیں + ایک سانپ سے مجھے ڈر معلوم ہوا + ایک چھوٹا سا موٹا سانپ تھا۔ اُس کا سر ایک چھوٹے بندر کے برابر اور بالوں سے ڈھکا ہوا تھا + یہ میرے کندھے پر چڑھ بیٹھا۔ اور میرے رُخساروں آگے پیچھے جھومنا شروع کر دیا + میں جب بھی نہ گھبرایا۔ اور خوشبو ڈالے گیا +

پھر میں نے دیکھا۔ کہ میرے سامنے سے ایک بہت بڑا اور مہیب جانور چلا آرہا ہے یہ جانور ایک بڑے لکڑبگڑ یا چرغ کی طرح تھا۔ اور آہستہ آہستہ میری طرف بڑھا آرہا تھا۔ اُس نے میرے عین سامنے آکر زور سے مُنہ کھول دیا۔ اور اُس کے مُنہ کا گرم گرم سانس میرے چہرے پر محسُوس ہوا لیکن ایک ہی منٹ میں یہ سب چیزیں غائب ہو گئیں۔ اور روشنی میں عجیب بھونڈی اور بُری بُری شکلیں جو کچھ کچھ انسانی صورت سے مشابہ تھیں۔ دکھائی دینے لگیں۔ ہر شکل سے غم و غصہ ظاہر ہوتا تھا۔ یہ شکلیں پاؤں سے نہ چلتی تھیں بلکہ گھٹنوں کے بل رینگتی تھیں۔ اور چلنے میں خاک اُڑا کر سر میں ڈالتی تھیں۔ وہ پہلے شیخ حسن کے پاس سے گزریں۔ اور میرے قریب سے رینگتی ہوئی نکل گئیں ❖

مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ میں زمین میں گڑا ہوا ہوں۔ اگرچہ میرے حواس بجا تھے۔ مگر ہاتھ پاؤں بے قابو تھے۔ صرف دائیں ہاتھ اور بازو میں کچھ طاقت تھی جس سے میں آگ پر خوشبو ڈال رہا تھا۔ میرے اردگرد عجب عجب طرح کے شور و غل ہو رہے تھے اور خصوصًا پیچھے کی طرف تو بہت ہی شور تھا۔ کبھی کبھی کوئی میرے کان کے پاس آکر کھلکھلا کر ہنستا۔ میں بالکل ہل نہ سکتا تھا۔ میرا خون منجمد معلوم ہوتا تھا۔ اور مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں تھا۔ کہ پیچھے مُڑ کر دیکھوں ❖

یہ سب بھی یک لخت غائب ہو گئے۔ اور اُس کے بعد زنجیروں کی آوازیں آنی شروع ہوئیں جس طرح قیدیوں کو اکٹھا کر کے لے جاتے ہیں۔ وہ شکلیں پھر اُسی طرح رینگتی اور خاک اُڑاتی ہوئی آئیں۔ جیسی پہلے آئی تھیں۔ جب وہ قریب پہنچیں۔ تو اُن سے نہایت بُری بدبو آنے لگی۔ میرا دم گھٹنے لگا۔ اور ایسا خوف چھایا۔ کہ میں سر سے پاؤں تک کانپنے لگا ❖

جب وہ قریب آکر کھڑے ہوئے۔ تو معلوم ہوا۔ کہ دو لمبے قد آور اور مضبوط جوان تھے۔ ان کے خط و خال بہت اچھے مگر رنگ سیاہ تھا۔ ان کے چہروں سے غصہ و نفرت ظاہر ہوتی تھی۔ اُن میں سے ایک شیخ حسن کے سامنے بیٹھ گیا۔ اور دُوسرا میرے سامنے۔ اُس کا خوفناک چہرہ دیکھ کر میرا دم فنا ہو گیا۔ اُس نے میری طرف لال آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر گھورنا شروع کیا جس سے

کینہ اور دُشمنی ظاہر ہوتی تھی۔ اُس کا مُنہ اس قدر کُشادہ تھا۔ کہ ایک کان سے دوسرے کان کے قریب تک پہنچا ہوا تھا۔ اُس میں سے بڑے بڑے دانت بے ڈول نکلے پڑتے تھے۔ اور اُس کی ہیئت بالکل غضبناک درندوں کی سی نظر آتی تھی +

وہ جو شیخ حسن کے سامنے بیٹھا تھا۔ کبھی بیٹھ جاتا تھا۔ کبھی کھڑا ہو جاتا تھا۔ مگر شیخ حسن برابر پڑھے چلا گیا۔ آخر وہ دونو شکلیں اُسی طرح رینگتی ہوئی پیچھے ہٹیں۔ اور اندھیرے میں جاکر غائب ہو گئیں +

اس کے بعد روشنی بھی غائب ہو گئی۔ اور تین چار منٹ تک ہم گھُپ اندھیرے میں رہے۔ روشنی پھر نمودار ہوئی۔ مگر اب کے زرد رنگ کی۔ اور پہلے سے زیادہ تیز تھی + میں نے شیخ حسن کی طرف دیکھا۔ تو اُس کے چہرے پر جوش و خروش کے آثار نمایاں تھے +

دفعتہً ہمارے سامنے سے زمین پھٹ گئی۔ اور زمین سے انسانی شکلیں باہر نکلیں۔ ان کے چہرے زرد تھے۔ مُنہ پر مُردنی چھائی ہوئی تھی۔ موٹے ٹاٹ کے سے کپڑے کے کالے کالے کُرتے گھٹنوں تک لٹک رہے تھے۔ اور بازو۔ سر اور پاؤں بالکل برہنہ تھے +

یہ شکلیں نکل کر شیخ حسن کے پاس کھڑی ہو گئیں۔ شیخ نے بہت دفعہ ہاتھ زور سے ہلایا جس سے یہ معلوم ہوتا تھا۔ وہ اُنہیں اپنے حکم کی تعمیل پر مجبور کر رہا ہے۔ اُنہوں نے شیخ کے سامنے بہت عاجزی ظاہر کی۔ مگر شیخ پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا۔ اور اُس نے کچھ پڑھنا شروع کر دیا + اس میں سے صرف اتنا سمجھ سکا۔ کہ "مریخ اور شہوریش حاضر ہوں" +

اُس افسون میں جس وقت یہ نام شیخ حسن کی زبان سے نکلتے تھے۔ وہ شکلیں ڈر جاتیں اور اُس کے آگے سر جھکا دیتی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد یہ بھی زمین میں جس سوراخ سے نکلی تھیں اُسی طرح سما گئیں۔ اور تمام شور و غل ختم ہو گیا +

اتنے ہی میں ایک عورت کے چیخنے چلانے کی دردناک آواز آئی اور رفتہ رفتہ بند ہوتی گئی۔ لیکن ہوا میں اُس کی گونج باقی تھی + میں نے سامنے اُس کی طرف دیکھنا شروع کیا۔ جوں جوں وہ میرے قریب آتی تھی۔ اُس کے نالہ و فغاں کی آواز اور اُونچی ہو جاتی تھی +

میں نے دیکھا۔ کہ دو مضبوط اور اُونچے قد کے آدمی اُس عورت کو بڑی سختی سے دھکیلے چلے آرہے تھے۔ پہلے تو اُس بڑھیا کی شکل مجھے دکھائی نہ دی۔ کیونکہ اُس کا سر جھکا ہوا تھا۔ لیکن جب وہ میرے قریب پہنچی۔ تو ٹھہر گئی۔ اور سر اُٹھا کر میری طرف دیکھا۔ اُف! وہ تو میری بوڑھی ماں تھی۔ خط و خال۔ شکل و صورت بالکل وہی سرِ مُو فرق نہیں۔ مگر بے انتہا ڈری اور سہمی ہوئی۔ وہ ہاتھ پھیلا کر مجھ سے مدد مانگنے لگی۔ وہ دونو ظالم میری ماں سے جو وحشیانہ برتاؤ کر رہے تھے۔ اُسے دیکھ کر میرا کلیجہ پھٹا جاتا تھا +

وہ میرے پاس پہنچ گئی۔ اور میرے سر کے پاس اپنا سر جُھکا دیا۔ اب تو مجھے اُس کا زرد اور خوف زدہ چہرہ صاف نظر آرہا تھا۔ اور اُس کا گرم گرم سانس میرے چہرے پر پڑ رہا تھا۔ اُس نے مجھے نام لے کر پکارا۔ اتنے ہی میں اُن میں سے ایک نے میری ماں کے سفید بال پکڑ لئے۔ اور اُسے گھسیٹ کر الگ پھینک دیا + میری ماں نے اُس آدمی کے پاؤں پر اپنا سر رکھ دیا اور وہ بہت عاجزی اور بیقراری سے اُس کے مُنہ کی طرف رحم کے لئے دیکھنے لگی + اُس ظالم نے اپنے پاؤں چُھڑا کر اُس بُوڑھی عورت کو دُور پھینک دیا۔ اور مُکا اُٹھا کر اُسے مارنے دوڑا + اب تو میں بیتاب ہو گیا۔ مجھ سے نہ رہا گیا۔ اُس وقت مجھے اپنی ماں اور اُس مُکّے کے سوا اور کسی بات کا ہوش نہ رہا۔ میں کُود کر اُس آدمی کی طرف لپکا۔ اور جھٹ اُس کا بازو پکڑ زور سے کہا "اگر ہمت ہو۔ تو مارو۔ پھر دیکھو مارنے کا مزا"!!

میں اس فقرے کو ختم کرنے بھی نہ پایا تھا۔ اور نہ اپنی ماں کے قریب پہنچا تھا۔ کہ میرے بول پڑنے کے سبب وہ عورت۔ آدمی اور روشنی سب کچھ غائب ہو گیا۔ اور میں اور شیخ حسن اندھیرے میں بیٹھے رہ گئے۔ یہ سب کچھ ایسا دفعتہً ہوا۔ کہ میں حیران تھا۔ الٰہی یہ کیا اسرار ہے۔ مگر جلد سمجھ گیا۔ کہ مجھ ہی سے غلطی ہوئی میں نے بول کر حاضرات کے عمل کا خاتمہ کر دیا + سچ پوچھو تو میرا یہ فعل بالکل بے اختیاری کا تھا۔ یہ بہت سخت آزمایش تھی۔ اور اس موقع پر مجھ سے لغزش ہونا کچھ مقام حیرت نہیں +

میں شرم کے مارے زمین میں گڑا جاتا تھا۔ اور شیخ سے منہ چھپاتا تھا۔ میری زبان خشک تھی۔ سانس چڑھا ہوا تھا۔ ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے۔ آخر مجبور ہو کر سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اور شرم کے مارے ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا +

جوں ہی یہ سلسلہ درہم برہم ہوا۔ شیخ حسن نے پھر اسمائے اعظم کا وظیفہ پڑھنا شروع کر دیا۔ جب پڑھ چکا۔ تو مجھ سے کہنے لگا۔ تمہاری نہایت سخت آزمایش ہوئی۔ اور تم واقعی مجبور تھے + صرف میں ہی دنیا میں ایک ایسا شخص ہوں جس پر اس وجہ سے کہ میں تعجب۔ وہشت خوف اور تکلیف کا عادی ہو چکا ہوں۔ دنیا کا کوئی رنج یا اس کی کوئی خوشی کچھ اثر نہیں ڈال سکتی + مگر تم سے یہ توقع نہیں ہو سکتی تھی + خیر۔ شکر ہے۔ کہ ہمیں کسی قسم کا گزند نہیں پہنچا + رہی ناکامی۔ تو قسمت میں یہی لکھا تھا۔ اب اس پر افسوس کرنے سے کیا حاصل ؟

شیخ حسن کے تسلی آمیز لفظوں نے فی الجملہ میری طبیعت کو بحال کر دیا۔ اور اگرچہ یہ جلسہ صرف دو ہی گھنٹے تک رہا۔ مگر مجھے یہ معلوم ہوتا تھا۔ کہ بہت زیادہ وقت صرف ہو رہا ہے + ایک دو گھنٹہ کھنڈرات میں آرام کر کے ہم واپس آئے۔ میں شیخ حسن کے ہاں تھوڑی دیر ٹھہرا + شیخ نے مجھ سے کہا۔ کہ میں کل بدھ کی شام تک اپنے حجرے سے باہر نہیں نکلوں گا۔ اور اس وقت تک روزہ رکھوں گا۔ اور پھر غروب آفتاب کے بعد کھنڈرات کی طرف چلنے کو تیار رہوں گا۔ اور تمہارا انتظار کروں گا۔ امید ہے۔ کہ اگر اب کی دفعہ تم یہی غلطی نہ کرو گے۔ تو یقیناً ہم کامیاب ہوں گے +

باب نہم

بدوؤں کا حملہ

دوسرے دن شام کو میں گھر سے سیر کے لئے نکلا۔ منڈی میں پہنچا۔ تو کیا دیکھتا ہوں۔ کہ شہر میں کھلبلی مچی ہوئی ہے۔ دکانیں بند ہو رہی ہیں۔ لوگ گھروں کی طرف دوڑے جا رہے ہیں۔ کہ چھپ جائیں۔ اور بہت سی خلقت مسجد کی طرف جا رہی ہے جہاں پہلے ہی بہت سے

آدمی جمع تھے۔ شہر کے دروازے بند تھے۔ اور کچھ بے قاعدہ فوج اور پولیس کے سپاہی پہرے پر متعین تھے۔ ہر ایک آدمی پریشان تھا۔ اور ہر ایک کی زبان پر یہی بات تھی۔ کہ قتل عام ہونیوالا ہے۔ پہلے تو میں نہ سمجھا۔ کہ یہ کیا معاملہ ہے پھر خیال کیا۔ کہ شاید مسلمانوں نے عیسائیوں کے خلاف شورش کی ہے۔ کیونکہ سب سے پہلے عیسائی ہی دکانیں بند کر کے اپنے اپنے گھروں کو جا رہے اور وہاں مورچے باندھنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ ایک عیسائی بھی ادھر ادھر پھرتا نظر نہ آتا تھا۔ لیکن میرا خیال غلط نکلا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا۔ کہ باہر کے بدو شہر پر حملہ کرنے والے ہیں۔ اور دم کے دم میں حملہ ہونے والا ہے ۔

ایک مغربی یعنی الجیریا کا باشندہ شیخ عبدالقادر کے ساتھ شام میں آیا تھا۔ اور ان ایام میں دمشق میں رہتا تھا۔ اس دن وہ شہر میں آیا اور بدو افسر کے بڑے لڑکے کے ساتھ لڑ پڑا۔ اسے قتل کر کے دمشق کو بھاگ گیا۔ اب بدو شہر اور شہر کے باشندوں سے اس کے خون کا بدلہ لینے آ رہے تھے۔ جب میں شہر پناہ کے قریب پہنچا۔ تو میں نے مدیر یعنی نائب حاکم شہر کو دیکھا۔ اس کے ساتھ شہر کے سب معززین اور شیخ موسیٰ بھی تھے۔ اور بدوؤں کے افسر کا انتظار ہو رہا تھا۔ کہ کہیں وہ آ چکے۔ تو اس سے صلح کی شرائط طے کر لی جائیں ۔

تھوڑی دیر میں ہزاروں بدو آتے ہوئے دکھائی دئے۔ ان میں سے بعض سوار تھے۔ اور بعض پیدل۔ بعضوں کے پاس تلواریں اور لمبی لمبی بندوقیں اور نیزے تھے۔ یہ سب کے سب چیختے چلاتے اور غصہ ظاہر کرتے چلے آتے تھے۔ حالت بہت خطرناک تھی۔ کیونکہ شہر بالکل بے پناہ تھا۔ شہر کے تھوڑے ہی آدمیوں کے پاس ہتھیار تھے۔ اور شہر پناہ بھی برائے نام ہی تھی۔ اس پر سے پھلانگنا یا اس میں شگاف کر دینا کچھ مشکل نہ تھا۔ کیونکہ نہ تو وہ کچھ زیادہ اونچی تھی۔ نہ بہت موٹی۔ شہر کے مسلمانوں نے جہاں جہاں سے ہتھیار دستیاب ہو سکے لئے اور مسلح ہو گئے۔ ان مسلح آدمیوں کی تعداد مع پولیس پچاس سے زیادہ نہ ہو گی۔ انہوں نے ارادہ کر لیا کہ خواہ کچھ ہو مرتے دم تک اپنے گھروں کی حفاظت کریں گے۔ تمام عیسائی تہ خانوں میں گھس گئے۔

کیونکہ وہ خوب سمجھتے تھے۔ کہ اگر ہنگامہ ہوا۔ تو ہم ہی سب سے زیادہ نقصان اُٹھائیں گے +

جب بدّو مع اپنے افسر کے اُس دروازہ کے قریب پہنچے جہاں ہم کھڑے ہوئے تھے۔ تو نائب حاکم کی طرف سے بہ آواز بلند کہا گیا۔ کہ نائب حاکم اور شیخ موسیٰ آپ سے کچھ گفتگو کرنا چاہتے ہیں + اس کے جواب میں تمام بدّو یکزبان ہو کر چلّا اُٹھے "کوئی گفتگو نہیں۔ صلح بالکل نہ کی جائیگی + کوئی شرط ورط منظور نہیں۔ مُردے کے لئے زندہ مارے جائینگے۔ خُون کا عوض خُون سے لیا جائیگا" + بدّو نیزے۔ تلواریں اور برچھے گھُماتے چلے آتے تھے۔ اور صرف اپنے حاکم کے اشارہ چشم کے منتظر تھے + اب کی دفعہ شیخ موسیٰ نے بدّوؤں کے افسر کو پکارا۔ اُن کے پُکارنے کا یہ اثر ہوا۔ کہ نائب حاکم شیخ موسیٰ اور چند معزز اراکین شہر کو معاملہ کا فیصلہ کرنے کی اجازت ملی۔ اُنہوں نے باہر جا کر گفتگو کی۔ بڑی قیل وقال کے بعد یہ فیصلہ ہوا۔ کہ اہل شہر خون کے ذمّہ دار نہیں۔ مگر چونکہ قتل شہر کے اندر ہوا ہے۔ اس لئے اہل شہر جُرمانے کے طور پر پندرہ ہزار روپیہ بھریں۔ اور مغربی اس خون کے ذمّہ دار ہیں۔ اور نتیجہ بھُگتیں + اس مضمون کی تحریر لکھی گئی۔ اور طرفین نے اس پر دستخط کر دئے۔ صلح کی خوشی میں بہت سی بھیڑیں ذبح کی گئیں۔ اور بدّوؤں کے افسر کی دعوت بڑے اہتمام سے کی گئی۔ اس دعوت میں شہر کے امرا بھی شریک تھے +

جس مغربی نے خون کیا تھا۔ وہ اجنبی مسافر تھا۔ اور چونکہ مغربی لوگ شہر میں مستقل سکونت نہیں رکھتے تھے۔ اس لئے قاتل بے خطر دمشق کو مفرور ہو گیا تھا۔ اُسے صرف اسی طرح سزا دلائی جا سکتی تھی۔ کہ وہ شام کے پاس درخواست دادرسی کریں۔ مگر وہاں دادرسی کی کچھ اُمید نہ تھی۔ اس لئے بدّوؤں نے یہ ارادہ کر لیا تھا۔ کہ موقع کی تاک میں رہیں۔ اور جب کوئی مغربی ملے۔ اُس سے بدلہ لے کر اپنی دادرسی آپ کریں +

باب دہم

قصاص

شیخ حسن نے دوشنبہ کی طرح بُدھ کے دن بھی پہلے کی طرح تیاری کی۔ مگر اب کی دفعہ

خوشبو کا یہ انتظام کیا گیا۔ کہ جلانے کی بجائے اُسے پانی میں گھول کر چھڑکنے کے لئے تیار کی میں نے مصمم ارادہ کر لیا۔ کہ خواہ کچھ ہی ہو۔ آج رات کسی طرح دھوکا نہ کھاؤں گا۔ اور حاضرات کو کامیاب بنانے کی کوشش کروں گا +

ہم شام کے بعد شیخ حسن کے گھر سے روانہ ہوئے۔ اور تین گھنٹے میں منزل مقصود پر پہنچ گئے میں اپنی پہلی جگہ کھنڈر کے پاس شیخ حسن کے سامنے بیٹھ گیا۔ اور شیخ حسن نے پھر حسب سابق عمل شروع کیا۔ پہلے کی طرح اُٹھ کر چاروں طرف گیا۔ بعد میں بیٹھ کر پڑھنا شروع کیا۔ اور خوشبو چھڑکنے لگا+ تھوڑی دیر میں وہی روشنی نمودار ہوئی۔ میں نے دیکھا۔ کہ ایک شخص اس روشنی میں سے نکلا۔ اور شیخ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ یہ ایک خوبصورت آدمی تھا۔ اور سفید چست لباس پہنے ہوئے اور ننگے پاؤں تھا۔ سر پر چھوٹے چھوٹے بال۔ سر سے ننگا تھا۔ داڑھی مونچھ ندارد۔ چہرہ حسین مگر غصے والا۔ کچھ دیر تک شیخ حسن کے پاس کھڑا رہا۔ پھر جس برتن میں خوشبو تھی۔ اُس کی طرف اشارہ کیا۔ شیخ حسن نے اور بھی زور سے پڑھنا شروع کیا۔ تب وہ آدمی اور بھی نزدیک آگیا۔ اور پھر ہاتھ سے اشارہ کیا۔ شیخ حسن نے بڑی بیتابی سے جلدی جلدی خوشبو چھڑکی۔ اور کہا۔ "مریخ فوراً حاضر ہو"

وہ شخص فوراً غائب ہو گیا۔ اور ویسا ہی ایک اور شخص آیا۔ مگر یہ مغموم صورت معلوم ہوتا تھا۔ وہ شیخ حسن کی طرف بڑھا۔ اور جھک کر اُسے سلام کیا۔ اُس کے لب مجھے ہلتے تو دکھائی دیئے۔ مگر آواز نہ سنائی دی۔ اُس نے بھی برتن کی طرف اشارہ کیا۔ شیخ حسن کھڑا ہو گیا۔ اور بولا۔ "شہنویش! حاضر ہو"

یہ آدمی بھی غائب ہو گیا۔ اور ہزاروں چیخیں اور رونے کی دردناک آوازیں آنے لگیں۔ مجھے معلوم ہونے لگا۔ کہ بہت سا ہجوم میرے قریب آتا جاتا ہے۔ اور اس شور وغل سے میرے اردگرد کی تمام جگہ لوگوں سے بھری ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ لیکن مجھے کوئی دکھائی نہ دیتا تھا۔ آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ مگر سمجھ میں نہ آسکتی تھیں + جب آوازیں ختم ہوئیں۔ تو ایک اور شخص ظاہر ہوا۔ مگر جونہی میں نے اُسے دیکھا۔ ڈر کے مارے کانپنے لگا۔ اُس کا چہرہ تو آدمیوں ہی جیسا تھا۔ مگر چہرے پر شدید غصے کے آثار تھے۔ اور جوں ہی اُس نے مجھے

گھور کے دیکھا۔ میرا دل پھٹنے لگا+ اس کے بعد اُس نے شیخ حسن کے پاس جا کر کچھ کہا۔ لیکن میں اُس کی بات نہ سمجھ سکا۔ اس پر شیخ اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ ظرف اُٹھا کر خوشبو چھڑکی۔ اور کہا۔ "یہ مریخ کے لئے ہے۔ اُسے فوراً حاضر ہونا چاہئے" پھر ایک قدم اور آگے بڑھ کر اُس نے باقی خوشبو بھی چھڑک دی۔ اور کہا۔ کہ "یہ شہنوریش کے لئے ہے۔ اُسے فوراً حاضر ہونا چاہئے +

پھر وہ شخص بھی اندھیرے میں غائب ہوگیا۔ اس کے بعد نہایت عجیب آوازیں آنے لگیں۔ جیسے دور فاصلے پر بہت سے لوگ باتیں کرتے چلے آتے ہوں۔ اُسکے بعد یک بخت خاموشی چھا گئی+ اور وہ خاموشی چونکہ اس قسم کے شور کے بعد ہوئی تھی۔ اس لئے بہت خوفناک معلوم ہوتی تھی+ دفعتاً اس خاموشی میں ایک ایسا دھماکا ہوا۔ جس طرح کوئی بڑا مکان گرتا ہے میں نے سامنے دیکھا۔ تو پہاڑ میں شگاف ہوگیا۔ اور اُس میں سے دو آدمی نکلتے نظر آئے+ ایک تو معمولی قد کا سیاہ فام شخص تھا۔ سر اور پاؤں سے ننگا اور ٹخنوں تک کُرتہ پہنے۔ بال سیاہ اور ڈاڑھی مدار۔ چہرے پر غصے اور وحشت کے آثار نمایاں تھے۔

دُوسرا بھی ویسے ہی کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ مگر رنگ ذرا اُس سے کُھلا ہوا تھا +

دونوں کے ہاتھوں میں ایک ایک بہی تھی۔ دونو شیخ حسن کی طرف بڑھے۔ شیخ حسن بھی تعظیم کے لئے آگے بڑھا۔ اور جُھک کر سلام کیا۔ مگر اُنہوں نے کچھ جواب نہ دیا۔ شیخ حسن نے اُن میں سے ایک کی بہی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "مریخ! تمہارے پاس گزشتہ زمانے کی کتاب ہے"! پھر دُوسرے کی طرف اشارہ کر کے۔ "شہنوریش! تمہارے پاس آیندہ زمانے کی کتاب ہے"+

پھر مریخ کی طرف مخاطب ہو کر اپنا بازو لمبا کر کے کچھ کہا جس پر مریخ شہنوریش کو لے کر ایک طرف کو چلا گیا+ اور یہ دونو میرے بیٹھنے کی جگہ سے تھوڑے ہی فاصلے پر جا کر ٹھہر گئے+ اس کے بعد مریخ نے روشنی کی طرف ہاتھ اُٹھا کر اُسے بلایا۔ ہاتھ اُٹھانے ہی کی دیر تھی۔ کہ اُس روشنی میں میں مشرقی نمونے کا ایک مکان دکھائی دیا۔ جس کے گرداگرد باغ تھا۔ گو باغ اور مکان اندھیرے

میں تھے۔ مگر مجھے اچھی طرح دکھائی دے رہے تھے ✦

ایک یا دو منٹ کے بعد دروازہ کھلا۔ اور ڈیوڑھی میں ایک لمپ جلتا ہوا نظر آیا۔ اور ایک بچے کے ہنسنے کی آواز آئی۔ اُس کے ساتھ ہی ایک عورت کی آواز سُنائی دی۔ اور پھر بچّے کے ہنسنے کی آواز کانوں میں آئی۔ اتنے میں ایک آدمی گھوڑے پر سوار دروازے پر آکر اُترا۔ اور اندر چلا گیا۔ اُس کا چہرہ دکھائی نہ دیا۔ کیونکہ ہماری طرف اُس کی پشت تھی اور اُس نے ایک بہت لمبا چغہ اور بہت بڑا ٹوپ پہن رکھا تھا میں نے شیخ حسن کی طرف دیکھا۔ تو اُس کے چہرے پر نہایت گھبراہٹ اور حیرانی کے آثار تھے مریخ اور شہنور شی دونوں ہم سے دُور کتابیں لئے کھڑے تھے ✦

دفعتہً اُس گھر کی چھت غائب ہوگئی۔ اور ہمیں اندر کا حصہ بخوبی دکھائی دینے لگا۔ ایک طرف ایک کمرہ تھا جو غالباً باورچیخانہ تھا۔ کیونکہ اُس میں فرش سے تین چار فٹ اُونچا چبوترہ بنا رکھا تھا۔ اور اُس پر دو تین چھوٹے چھوٹے چُولھے بنے ہوئے تھے آگ جل رہی تھی۔ اور دیگچیاں چڑھی ہوئی تھیں۔ ایک حبشن خادمہ چُولھے کے پاس کھڑی ہوئی ایک دیگچی میں چمچہ چلا رہی تھی ✦

اُس کے سامنے ایک اَور کمرہ نہایت تکلّف سے سجا ہوا تھا۔ گرد اگرد دیوار کے ساتھ نہایت نفیس مشرقی سامان کی بنی ہوئی نشست۔ اور بیچ میں ایشیائی غالیچوں کا فرش تھا۔ ایک کونے میں ایک ہشت پہلو میز تھی جس پر سیپ اور سنگ پشت کی ہڈی کا نہایت خوشنما کام تھا۔ اور میز پر ایک پیتل کی سینی دھری تھی۔ میز پر ایک شمعدان میں موم بتی بھی جل رہی تھی۔ اور اُسکے گرد تین لمپ روشن تھے۔ اُن کے پاس ہی چند روٹیاں۔ کچھ چمچے۔ رکابی میں زیتون۔ اور پکا ہوا ساگ رکھا تھا۔ سینی اسی کھانے کے لئے باہر لاکر رکھی گئی تھی۔ جو باورچیخانے میں پک رہا تھا۔ دیواروں پر جا بجا خوشنما طغرا اور قرآن مجید کی آیتیں لکھی ہوئی آویزاں تھیں۔ کمرے کے دُوسری طرف الماریوں میں خوبصورت جلدوں کی بہت سی کتابیں رکھی تھیں ✦

اُس کے پاس ہی ایک چھوٹی سی میز تھی جس پر کاغذ قلم دوات اور اَور لکھنے کی چیزیں رکھی تھیں

تھیں جس سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ کمرے کا مالک کوئی صاحب علم ہے۔ کمرے کے دو دروازے تھے۔ ایک تو باورچیخانے کی طرف تھا۔ اور دوسرا صحن میں ٭ میز کے نزدیک صفہ پر ایک معمّر عورت سفید اُونی ڈھیلا لباس پہنے بیٹھی تھی۔ اُس کے ہاتھ میں ایک کپڑا تھا۔ اور وہ اُسے تہ کر کے رکھ رہی تھی۔ اُس کے پاس ایک چار یا پانچ سال کی عمر کا بچّہ کھڑا تھا۔ جب وہ عورت کپڑا تہ کر کے رکھتی تھی۔ تو اُسے بچہ کھول دیتا تھا۔ عورت بچّے کو سر کے اشارے سے مُسکرا کر منع کرتی تھی۔ اور بچّہ زور سے کھلکھلا کر ہنسنے لگتا تھا ٭

پھر کمرے کا دروازہ اندر کی طرف سے کھُلا۔ اور اُس میں سے ایک خُوبصورت عورت نکلی۔ اُس کا چہرہ نہایت پیارا تھا۔ آنکھیں سیاہ اور بڑی دل رُبا تھیں بچّے کے قریب آ کر اُس نے اُس پر پیار دیا۔ لڑکا اُس کا ہاتھ پکڑ کر خوش ہونے اور اُچھلنے لگا۔ اُس وقت وہ بچّہ صحت، مسرّت اور معصومیت کی ایک مجسّم تصویر نظر آتا تھا ٭

اس کے بعد کیا دیکھتا ہوں۔ کہ وہ شخص جو ابھی گھوڑے سے اُترا تھا۔ باغ میں سے ہو کر باورچیخانے میں پہنچا۔ اُس کے ہاتھ میں ایک مضبوط لکڑی لٹکی ہوئی تھی جس کا سرا موٹا اور اُوپر سے مُڑا ہوا تھا۔ اور اُس میں لوہے کی بڑی بڑی میخیں جڑی ہوئی تھیں۔ یہ شخص ننگے پاؤں تھا۔ وہ سیدھا باورچیخانے میں داخل ہوا۔ اور جشن لونڈی کے پیچھے جا کھڑا ہو گیا۔ اُس نے کام کرتے ہوئے مُڑ کر دیکھا۔ اور ڈر کے پرے ہٹی۔ مگر اُس نے فوراً خنجر اُس کے سینے میں گھونپ دیا۔ اور وہ دھڑام سے زمین پر گر پڑی ٭

یہ شخص جس کا چہرہ اب تک ڈھکا ہوا تھا۔ اس کمرے میں چلا گیا جہاں دو نو عورتیں اور بچّہ بیٹھا تھا۔ وہاں جاتے ہی اُس ظالم نے نوجوان عورت کے چہرے پر ایک موٹا اُونی رومال ڈال دیا۔ اور پیچھے کی طرف گرہ دے دی۔ اُس کے ہاتھ پس پُشت کر کے رستے سے باندھ دئے۔ اور رسّا خود پکڑ رکھا ٭

بوڑھی عورت چند فٹ کے فاصلے پر اس آدمی کے آنے سے بالکل بیخبر بیٹھی تھی۔ اور

سر جھکائے ایک کپڑے کو دیکھ رہی تھی۔ اُس نے جُونہی سر اُٹھا کے دیکھا۔ تو گھبرا گئی۔ اور دوڑ کر جوان عورت کے مُنہ سے کپڑا دُور کرنے لگی۔ اُس نے بولنے کی کوشش بھی کی۔ مگر وہ آ نہ نکل سکی۔ اُس شخص نے بُڑھیا کو پیچھے دھکیلا۔ اور مُکّے مارے۔ بُڑھیا نے ایک ہلکی سی چیخ ماری۔ اس کے بعد اُس نے بُڑھیا کے لاٹھی ماری۔ بُڑھیا صفہ کے پسے جا پڑی۔ اُسکا سر فرش سے لگ گیا۔ اس کے بعد اُس ظالم نے بُڑھیا کے سر پر چار پانچ لاٹھیاں زور سے ماریں۔ لڑکا دوڑ کر نوجوان عورت سے جو اُس کی ماں تھی۔ (اب میں سمجھ گیا تھا۔ کہ وہ نو عمر عورت رشیدہ تھی۔ اور مکان شیخ حسن کا تھا) لپٹ گیا۔ اور کوشش کرنے لگا۔ کہ اُس کے کپڑوں میں چھپ جائے۔ مگر اُس سفّاک نے لڑکے کو زبردستی پکڑ کر اُس کی ماں سے جُدا کر دیا۔ اور ایک لاٹھی اُس معصوم کی پیٹھ پر اس زور سے ماری۔ کہ وہ بیہوش ہو کر گر پڑا۔ اور پھر نہ اُٹھا۔

اب جو میں نے شیخ حسن کی طرف دیکھا۔ تو چہرے کی عجب حالت تھی۔ رنگ زرد تھا۔ آنکھوں سے خون برس رہا تھا۔ اور چھاتی پر ہاتھ رکھے یہ رُوح فرسا منظر دیکھ رہا تھا!

بیچاری رشیدہ کوشش کر رہی تھی۔ کہ ہاتھ چُھڑا کر آنکھوں پر سے پٹّی کھول دے مگر اس کی سب جدوجہد فضول و بیفائدہ تھی کیونکہ اُس کے بازو بہت مضبوط بندھے تھے۔ اور وہ ظالم اُسے پکڑے ہوئے تھا۔ اتنے میں اُس شخص نے اپنے کندھے پر سے ایک چادر اُتاری۔ اُس میں رشیدہ کو لپیٹا اور اُسے اُٹھا کر ڈیوڑھی کی طرف لے چلا۔ جب وہ ہمارے پاس پہنچا۔ تو اُس کے چہرے سے نقاب گر پڑا۔ شیخ حسن نے اُس کی صورت دیکھ کر چیخ ماری۔ اور اُس کی طرف جھپٹا۔

وہ شخص مصطفٰے تھا!

اس کے بعد ہمارے پیچھے قہقہوں کی آوازیں بلند ہوئیں۔ اور تمام نظارہ رشیدہ۔ مصطفٰے مع شہنور بیش۔ روشنی وغیرہ سب غائب ہو گئے۔ میں اور شیخ حسن اکیلے رہ گئے۔ میرے حواس ابھی بجا نہ ہوئے تھے۔ کہ گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔ اور

چند ہی لمحوں میں ہمیں بدّوؤں نے آگھیرا۔ وہ شیخ حسن کی چیخ سُن کر اُس کی طرف آئے تھے۔ اُنہوں نے آتے ہی نیزوں کی انیاں ہماری طرف کر دیں ✤

رسم کے مطابق میں نے اُن سے کہا۔ کہ ہم دوست ہیں۔ آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں؟ لیکن شیخ حسن بالکل خاموش رہا ✤

ایک بدّو۔ "(میری طرف اشارہ کر کے) یہ شخص شامی معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کا لہجہ و لباس شامیوں کا سا ہے۔ لیکن وہ دُوسرا خدا جانے کون ہے"!

دُوسرا بدّو۔ (شیخ حسن سے) کیا تم مغربی ہو؟

ان میں سے ایک بدو نے کہا۔ کہ اس کا لباس شامیوں کا سا معلوم ہوتا ہے ✤

شیخ حسن۔ ہاں میں مغربی ہوں ✤

سب بدّو۔ (بآواز بلند) خُون کا بدلہ خُون ہے۔ اس سے بدلہ لو۔ یہ کہہ کر نیزے اُٹھائے۔ سب کے سب شیخ پر ٹوٹ پڑے۔ اور اُسے شہید کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ✤

باب یازدہم

ناتمام خط

شیخ حسن کی وفات کے بعد مصطفٰے نے ایک اور سنگین جُرم کا ارتکاب کیا۔ وہ یہ کہ ٹیونس کے ایک معزز حاکم سے اُس کا جھگڑا ہو گیا۔ اور اُس نے طیش میں آکر اُسے ایک ایسی ضرب لگائی۔ کہ وہ حاکم مر گیا۔ قاضی نے موت کا فتوٰی دیا۔ اُس کے بھائی اور باپ نے بہت کوشش کی۔ کہ کسی طرح خُون بہا دے کر رہائی مل جائے۔ مگر کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ اور مصطفٰے قصاص میں قتل کیا گیا۔ کیونکہ مقتُول کا خاندان ٹیونس میں بہت مرتبہ و عزت رکھتا تھا۔ اُس کی اشک شوئی ضروری تھی ✤

علی جو اَب تک سوسا میں رہتا تھا۔ مصطفےٰ کی جائداد کا بندوبست کرنے کے لئے ولید میں آیا۔ مصطفےٰ کی جائداد اُس کے ایک ہم عمر حبشی غلام عبد اللہ کے سپرد تھی۔ اُس غلام کو مصطفےٰ کے باپ نے چھوٹا ہی خریدا تھا۔ اور اُس سے غلاموں کا سا سلوک کبھی نہ کیا گیا تھا۔ گھر میں سب کی طرح وہ بھی رہتا تھا۔ اور چونکہ بہت محتاط اور وفادار تھا۔ اِس لئے مصطفےٰ کے باپ نے اُسے جائداد کا انتظام سپرد کر رکھا تھا۔ اور اُس کی شادی ایک حبشن سے کر دی تھی۔ اس حبشن نے بھی مصطفےٰ ہی کے گھر میں پرورش پائی تھی۔

مصطفےٰ کے والد نے مرتے وقت عبد اللہ اور اُس کی بیوی کو بروئے قانون آزاد کر دیا تھا۔ لیکن مصطفےٰ نے اپنی تمام جائداد کا مختار عبد اللہ کو کر دیا تھا۔ کیونکہ وہ اِس قدر آوارہ اور آرام طلب تھا۔ کہ خود انتظام نہ کر سکتا تھا۔

جب علی اُس جائداد کا بندوبست کرنے کے لئے سوسا کو روانہ ہونے والا تھا تو عبد اللہ نے علی کو یہ کہانی سُنائی :۔

ایک رات جب میں تمام کاموں سے فارغ ہو کر سونے کو جا رہا تھا۔ تو میں نے اُس مکان میں سے جو خالی پڑا ہے۔ عجب طرح کی چیخوں کی آواز سُنی۔ میں نے ٹھہر کر غور سے سُننا شروع کیا۔ معلوم ہوا۔ کہ کوئی عورت تکلیف سے زار زار رو رہی ہے۔ میں دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔ دیکھتا کیا ہوں۔ کہ ایک خوبصورت عورت کمرے کے ایک کونے میں زمین پر پڑی رو رہی ہے۔ میں نے اُسے بُلایا۔ مگر اُس نے کچھ جواب نہ دیا۔ قریب جا کر میں نے لمپ سے اُس کا چہرہ دیکھا۔ اُس کی آنکھیں دیوانہ وار کُھلی ہوئی تھیں۔ لیکن وہ میری موجودگی سے بے خبر تھی۔ اُس کی مُشکیں بندھی ہوئی تھیں۔ اور وہ سخت بدحواس ہو رہی تھی۔ میں نے رسّی کھول ڈالی۔ اور اپنی بیوی صادقہ کو دُوسرے کمرے سے بُلا لیا۔ جب اُس نے آکر غور سے دیکھا۔ تو حیران ہو کر چلّا اُٹھی "ہائیں! یہ تو شیخ حسن کی بیوی رشید ہے"!

رشیدہ بیہوش تھی۔ میں نے اور صادقہ نے بہت کوشش کی۔ کہ اسے ہوش میں لائیں۔ مُنہ پر پانی چھڑکا۔ سر پر اور کنپٹیوں پر کچے انگوروں کا شیرہ بھی ملا۔ مگر سب بے سُود۔ بہت عرصے کے بعد اُسے ہوش آیا۔ اور اُس نے مجھے اور صادقہ کو پہچانا۔ پھر ہمارے پاؤں پر گر پڑی۔ اور بولی۔ "خدا کے لئے مجھے مصطفےٰ سے بچاؤ"۔ میں نے اُس کا سر زمین پر سے اُٹھایا۔ اور کہا۔ کہ "خواہ مجھے اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑیں۔ مگر میں تمہیں بچاؤں گا۔ تم بالکل مطمئن رہو"۔

میں اور صادقہ رات بھر اُس کے پاس بیٹھے اُسے تسلی دیتے رہے۔ مگر اُسے بالکل نیند نہ آتی تھی۔ اور وہ گھبرا گھبرا کر اِدھر اُدھر اُٹھ بھاگتی تھی۔ اس کی باتوں سے صرف اس قدر پتہ چل سکا۔ کہ اسے مصطفےٰ یہاں لایا ہے۔ دُوسرے ہی دن مجھے تمام حال معلوم ہو گیا۔ کہ مصطفےٰ ہی نے یہ سارا ظلم شیخ حسن پر ڈھایا ہے۔ جب مصطفےٰ مجھ سے ملا۔ تو میں نے اُسے سارا حال سُنایا۔ اور سخت لعنت ملامت کی جب مصطفےٰ نے دیکھا۔ کہ مجھے کُل بھید معلُوم ہو گیا۔ تو وہ بہت گھبرایا۔ اور نہایت عاجزی اور منت سے کہنے لگا۔ کہ "دیکھنا بھائی۔ اس راز کو پوشیدہ رکھنا۔ خدا کے واسطے کہیں ظاہر نہ کر دینا"۔ میں نہ خود اس معاملے میں مدعی بننا چاہتا تھا۔ نہ اپنے قدیم مہربان آقا کے صاحبزادے سے جس کے باپ نے مجھے پالا پوسا اور آرام سے رکھا۔ بُرائی کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے میں نے وعدہ کر لیا۔ کہ میں تمہارا راز ہرگز فاش نہ ہونے دوں گا۔ مگر ایک شرط ہے۔ کہ تم کبھی بھول کر بھی رشیدہ کے کمرے میں قدم نہ رکھو۔ ورنہ میں سارے معاملے کی خبر حاکم شہر کو دے دوں گا۔

میں اور صادقہ رشیدہ کی بہت خدمت کرتے رہے۔ وہ کبھی کبھی ہوش میں آتی۔ اور گزشتہ حادثے کا ذکر کرتی۔ اُس کی گفتگو سے یہ حال معلُوم ہوا۔ کہ مصطفےٰ ایک عرصہ سے رشیدہ سے اظہار محبت کرتا رہا تھا۔ اور وہ ہمیشہ نہایت غصے کے ساتھ اُس کی پذیرائی سے انکار کرتی رہی۔ لیکن جس دن شیخ حسن گھر سے باہر گیا۔ اُس دن مصطفےٰ نے اپنی ناجائز خواہشوں

کے لئے رشیدہ کو بہت تنگ کیا۔ رشیدہ نے غصّے اور نفرت سے کہا۔ کہ آج تک تو میں اس خیال سے خاموش رہی ہوں۔ کہ فساد بڑھ نہ جائے۔ اور تمہارے چال چلن کا حال سُن کر شیخ حسن کو صدمہ نہ ہو۔ مگر اب کے میں سارا ماجرا شیخ حسن کو سُنا دوں گی ✤

اپنی خواہشوں کے پُورا نہ ہونے اور رشیدہ کی اِس دھمکی سے مصطفےٰ کو بہت غصّہ آیا۔ چنانچہ اُس نے یہ مظالم ڈھائے۔ اور رشیدہ کو یہاں لے آیا۔ تاکہ اُسے یہاں اپنے پاس مقیّد رکھے۔ کیونکہ اس گھر میں سوائے اُس کے۔ میرے اور میری بیوی صادقہ کے اور کوئی نہ رہتا تھا ✤

اس کے بعد رشیدہ نے بولنا بھی چھوڑ دیا۔ اور اگر بولتی بھی تھی۔ تو شاذونادر اور مشکل سے۔ دو چار نوالے کھانے کے کھاتی۔ کبھی اپنے شوہر کو بُلاتی۔ کبھی بیٹے کو پکارتی۔ اور بڑے تعجّب سے پوچھتی۔ کہ "یہ دونو مجھے جواب کیوں نہیں دیتے۔ یہ کہاں چلے گئے"؟

جس دن شیخ حسن ولید سے خلوت کی طرف روانہ ہوئے۔ اُس دن رشیدہ کو خودبخود ہوش آگیا۔ وہ بہت خوش نظر آتی تھی۔ میں نے اُسے پہلے کبھی ایسا بشاش نہ دیکھا تھا۔ وہ کہنے لگی "آج رات میں نے اپنے پیارے بیٹے کو خواب میں دیکھا ہے آج وہ آئے گا۔ اور پھر میرے ہی پاس رہا کرے گا۔ مجھے قلم دوات اور کاغذ لا دو میں اپنے شیخ حسن کو خط لکھوں گی۔ کہ وہ بھی آجائیں۔ اور پھر ہم سب اکٹھے مل کر رہیں صادقہ میرے بالوں کو اچھی طرح سنوار دے۔ اور اُن میں گلاب کا ایک پُھول لگا دے کیونکہ حسن گلاب کے پُھول کو بہت پسند کرتے ہیں۔ وہ خوش ہوں گے۔ تو میرا دل بھی خوش ہوگا"

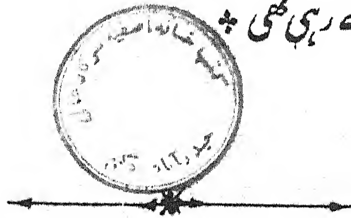
صادقہ نے رشیدہ کو صاف کپڑے پہنائے۔ اور اُس کے لمبے لمبے سیاہ ریشمین بال بہت احتیاط سے سنوارے۔ میں جاکر قلم دوات اور کاغذ لے آیا۔ اور رشیدہ ایک میز پر بیٹھ کر لکھنے لگی۔ میں باہر چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد جو واپس اُس کمرے میں آیا۔

تو کیا دیکھتا ہوں۔ کہ ایک بازو میز پر رکھا ہوا ہے۔ دُوسرے ہاتھ سے کاغذ چھاتی سے لگا لیا ہے۔ اُس کاغذ پر صرف اتنا لکھا ہے۔ کہ

”میرے پیارے شیخ حسن۔ آؤ!“ ....

گلاب کا پھول بالوں سے گر کر اس ناتمام خط پر پڑا تھا۔ لکھنے والی کی آنکھیں بند تھیں۔ اور چہرے پر نُور برس رہا تھا!

میں نے سمجھا۔ کہ سو رہی ہے۔ مگر بعد میں معلوم ہوا۔ کہ مظلوم رشیدہ کا طائر رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکا تھا۔ اور وہ اِس مُصیبتوں بھری دُنیا سے آزاد ہو کر مسرّت جاودانی کے مزے لے رہی تھی ٭



کتبۂ غلام رسول مدرس ریٹائرڈ عفا اللہ عنہ وعن والدیہ سکنہ گوجرانوالہ